Www.kashmirulyoum.com.pk

کشمیری عوام کی امنگوں کا ترجمان
راولپنڈی

ماہنامہ
کشمیر الیوم
(رجسٹرڈ)

جلد نمبر 23، شمارہ نمبر 9، اپریل 2026ء شوال/ذوالقعدہ ۱۴۴۷

مجلس مشاورت

حامد میر

سید عارف بہار | راجہ ذاکر خان

سرور منیر راؤ | رُباب عائشہ | عاصم قدیر رانا

مدیرِ اعلیٰ : شیخ محمد امین

مدیر : فاروق احمد

نمائندگان

شمالی پنجاب : ارشد ایوب
آزاد جموں و کشمیر : غازی محمد اعظم
گلگت بلتستان : عبدالهادی بونجوی
سرینگر : سید مزمل حسین سہروردی
جموں : وجے کمار رینا
لداخ : جعفر حسین علوی
لندن : انوار الحق
نیویارک : فائزہ نذیر

ڈیزائننگ : شیخ ابوحماد
کمپوزنگ :
منیجر فائنانس / سرکولیشن : شبیر یوسف
معاون سرکولیشن : طارق احمد

انچارج شعبہ اشتہارات : راجہ محمد شفیق

ویب انچارج : ڈاکٹر بلال احمد

اس شمارے میں

اداریہ	امریکی حکام "سیف ایگزٹ" کی تلاش میں	چیف ایڈیٹر کے قلم سے	3
نقش وخیال	سید آیت اللہ علی خامنہ ای۔۔	شہباز بڈگامی	4
گرد و پیش	علی کے مکتب میں "علی والے"	سید عمر اویس گردیزی	7
فکر و نظر	عالمی طاقتیں اور عالمی تنازعات	محمد احسان مہر	11
قلم کمان	علی کا علی سے مکالمہ	حامد میر	14
عالمی پریس	بھارت: جنگ پر خاموشی کب تک	افتخار گیلانی	16
شخصیات	بہت ہی عظیم شخص تھا!!!	قمبر نقوی	18
تذکرہ شہداء	شہید سیف الاسلامؒ	عبدالرشید ڈار	20
تذکرہ شہداء	شہید کمانڈر طارق الاسلامؒ	فاروق قیصر	22
سوال و جواب	آپ نے پوچھا ہے!!!	مفتی خالد عمران خالد	25
گوشۂ اسلام	نظام اور فکر مودودیؒ	شاہنواز فاروقی	27
بوسنیا	تاریخ خود کو دہراتی ہے	امجد فاروقی	29
تاریخ کے جھروکوں سے	میں ترک وزیر اعظم عدنان مندریس ہوں!!!	ابوفاتح ندو	30
کشمیر کے شب و روز	بھارتی فوج اور مجاہدین کے درمیان خونی معرکے	ہمایوں قیصر	31

ماہنامہ کشمیر الیوم میں شائع ہر کالم، کالم نگار کی ذاتی آراء پر مبنی ہوتا ہے، جس سے ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں (چیف ایڈیٹر)

پبلشر : خواجہ محمد شہباز
مقامِ اشاعت : D-1005، سیٹلائیٹ ٹاؤن، راولپنڈی
مطبع : والضحیٰ پرنٹرز، قیصر پلازہ، صدر، راولپنڈی

Regd. No. 885
Mails. B/NPR-234

قیمت 50 روپے، سالانہ زرتعاون 500 روپے

خط و کتابت اور رابطہ کیلئے: دفتر ماہنامہ "کشمیر الیوم" NA/300-A نیو ملپور ڈبل روڈ راولپنڈی Kashmirulyoum2014@gmail.com, 0318-5355344

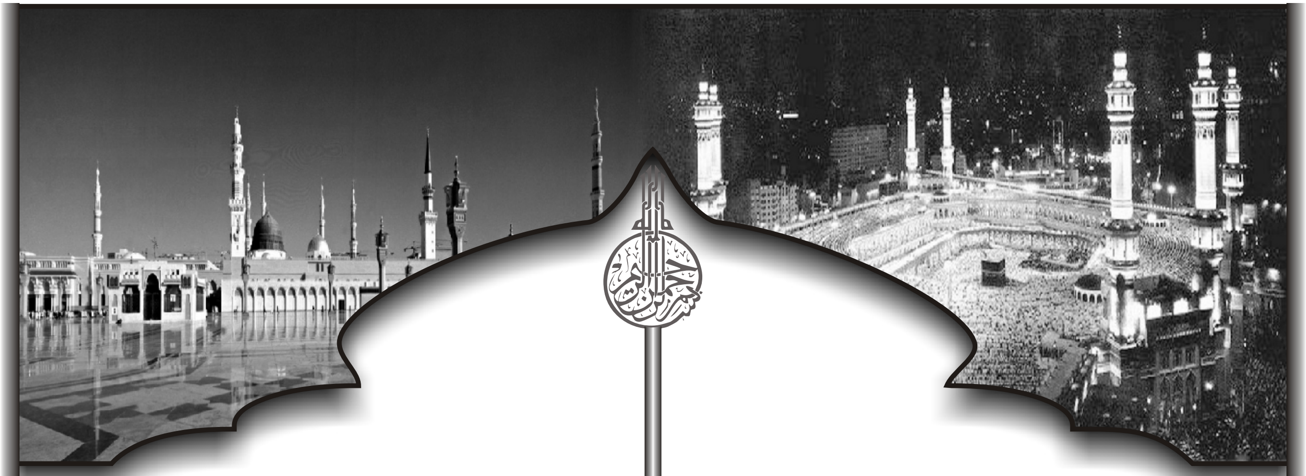

القرآن

اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے!!!

اور موسیٰؑ نے کہا کہ ”اگر تم کُفر کرو اور زمین کے سارے رہنے والے بھی کافر ہو جائیں تو اللہ بے نیاز اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے۔“ کیا تمہیں اُن قوموں کے حالات نہیں پہنچے جو تم سے پہلے گزر چکی ہیں؟ قومِ نوح، عاد، ثمود اور ان کے بعد آنے والی بہت سی قومیں جن کا شمار اللہ ہی کو معلوم ہے؟ اُن کے رسول جب اُن کے پاس صاف صاف باتیں اور کھُلی کھُلی نشانیاں لیے ہوئے آئے تو انہوں نے اپنے منہ میں ہاتھ دبا لیے اور کہا کہ ”جس پیغام کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو ہم اُس کو نہیں مانتے اور جس چیز کی تم ہمیں دعوت دیتے ہو اُس کی طرف سے ہم سخت خلجان آمیز شک میں پڑے ہوئے ہیں۔“ اُن کے رسُولوں نے کہا ”کیا خُدا کے بارے میں شک ہے جو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے؟ وہ تمہیں بُلا رہا ہے تا کہ تمہارے قصور معاف کرے اور تم کو ایک مدُتِ مقرر تک مہلت دے۔“ انہوں نے جواب دیا ”تم کچھ نہیں ہو مگر ویسے ہی انسان جیسے ہم ہیں۔ تم ہمیں اُن ہستیوں کی بندگی سے روکنا چاہتے ہو جن کی بندگی باپ دادا سے ہوتی چلی آرہی ہے۔ اچھا تو لاؤ کوئی صریح سند۔“ ان کے رسولوں نے ان سے کہا ”واقعی ہم کچھ نہیں ہیں مگر تم ہی جیسے انسان لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے۔ اور یہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے کہ تمہیں کوئی سند لادیں۔ سند تو اللہ ہی کے اِذن سے آسکتی ہے اور اللہ ہی پر اہلِ ایمان کو بھروسہ کرنا چاہیے اور ہم کیوں نہ اللہ پر بھروسہ کریں جبکہ ہماری زندگی کی راہوں میں اس نے ہماری رہنمائی کی؟ جو اذیتیں تم لوگ ہمیں دے رہے ہو اُن پر ہم صبر کریں گے اور بھروسا کرنے والوں کا بھروسا اللہ ہی پر ہونا چاہیے۔ آخر کار منکرین نے اپنے رسُولوں سے کہہ دیا کہ ”یا تو تمہیں ہماری ملّت میں واپس آنا ہو گا ورنہ ہم تمہیں اپنے ملک سے نکال دیں گے۔“ تب اُن کے ربّ نے اُن پر وحی بھیجی کہ ”ہم اِن ظالموں کو ہلاک کر دیں گے اور ان کے بعد تمہیں زمین میں آباد کریں گے۔ یہ انعام ہے اس کا جو میرے حضُور جواب دہی کا خوف رکھتا ہو اور میری وعید سے ڈرتا ہو۔“ اُنہوں نے فیصلہ چاہا تھا (تو یُوں اُن کا فیصلہ ہوا) اور ہر جبّار دشمنِ حق نے منہ کی کھائی۔

تفہیم القرآن (آیت نمبر ۸ تا ۱۵ سورہ ابراھیم سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

الحدیث

امارت کی طلب!!!

جریر بن حازم نے کہا : ہمیں حسن بصری نے اور انہیں عبدالرحمن بن سمرہ رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی، کہا : رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ”عبدالرحمن! امارت طلب نہ کرنا کیونکہ اگر تم کو طلب کرنے سے (امارت) ملی تو تم اس کے حوالے کر دیئے جاؤ گے (اس کی تمام تر ذمہ داریاں خود اٹھاؤ گے، اللہ کی مدد شامل نہ ہو گی) اور اگر تمہیں مانگے بغیر ملی تو (اللہ کی طرف سے) تمہاری اعانت ہو گی۔“

(صحیح مسلم)

اپنے عمل میں پختگی اختیار کرو!!!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا بے شک دین آسان ہے اور جو شخص دین میں سختی اختیار کرے گا تو دین اس پر غالب آجائے گا (اور اس کی سختی نہ چل سکے گی) پس (اس لیے) اپنے عمل میں پختگی اختیار کرو۔ اور جہاں تک ممکن ہو میانہ روی برتو اور خوش ہو جاؤ (کہ اس طرز عمل سے تم کو دارین کے فوائد حاصل ہوں گے) اور صبح اور دوپہر اور شام اور کسی قدر رات میں (عبادت سے) مدد حاصل کرو۔ (نماز پانچ وقتہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ پابندی سے ادا کرو۔)

(بخاری)

پانچ نمازوں کا ثواب پچاس کے برابر!!!

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر معراج کی رات پچاس نمازیں فرض کی گئیں، پھر کم کی گئیں یہاں تک کہ (کم کرتے کرتے) پانچ کر دی گئیں۔ پھر پکار کر کہا گیا : اے محمد! میری بات اٹل ہے، تمہیں ان پانچ نمازوں کا ثواب پچاس کے برابر ملے گا۔

(ترمذی)

امریکی حکام ”سیف ایگزٹ“ کی تلاش میں

ایران، امریکا اور اسرائیل کے درمیان جاری تنازع نے مشرق وسطیٰ کی سیاسی و معاشی صورتحال کو شدید متاثر کیا ہے اور عالمی طاقت کے توازن کے ساتھ ساتھ عالمی معیشت پر بھی گہرے اثرات مرتب کر رہے ہیں۔تازہ ترین تجزیوں سے واضح ہے کہ یہ تصادم محض دو فریقوں کی محدود جھڑپ نہیں بلکہ ایک وسیع اسٹریٹجک جنگ ہے جس میں امریکا سمیت دیگر عالمی طاقتیں براہ راست یا بالواسطہ شامل ہیں۔یہ جنگ خطے میں طویل مدتی سیاسی اور عسکری حکمت عملی کا حصہ بن چکی ہے جہاں ہر فریق اپنے مفادات کو آگے بڑھانے کی کوشش کر رہا ہے۔اس تنازع کی جڑیں گہری ہیں۔فروری 2026 میں امریکا اور اسرائیل نے ایران پر مشترکہ فضائی کارروائیاں شروع کیں جو ایرانی قیادت اور فوجی اڈوں کو نشانہ بنانے والی تھیں۔ان حملوں میں کئی اہم ایرانی شخصیات متاثر ہوئیں۔جواب میں ایران نے اسرائیل اور علاقائی اہداف پر میزائل و ڈرون حملے کیے۔یہ سلسلہ اب چوتھے ہفتے میں داخل ہو چکا ہے اور ابھی تک کوئی واضح اختتام نظر نہیں آرہا۔بعض تجزیہ کاران کارروائیوں کو ”گریٹر اسرائیل“ کی توسیع سے جوڑتے ہیں جبکہ دوسرے اسے ایران کی جوہری اور میزائل صلاحیت محدود کرنے کی کوشش قرار دیتے ہیں۔حقیقت یہ ہے کہ یہ جنگ خطے میں طاقت کے نئے توازن کی تشکیل کر رہی ہے۔ایران نے اس جنگ میں مضبوط اور لچکدار موقف اختیار کیا ہے۔اس کی تزویراتی حکمت عملی، دفاعی تیاریاں اور آبنائے ہرمز پر کنٹرول اسے عالمی دباؤ سے محفوظ رکھ رہا ہے۔ایران نے آبنائے ہرمز کو مؤثر طریقے سے بند کر کے عالمی تیل کی سپلائی پر دباؤ ڈالا ہے۔اس ناکہ بندی سے تیل کی قیمتیں تیزی سے بڑھ گئیں اور شپنگ و تجارت متاثر ہوئی۔اگر یہ صورتحال جاری رہی تو یورپ اور ایشیا سمیت عالمی معیشت میں عدم استحکام مزید بڑھ سکتا ہے۔ایران کا یہ اقدام اس کی عسکری طاقت کے ساتھ ساتھ معاشی مزاحمت کو بھی ظاہر کرتا ہے۔امریکا اور اسرائیل کی فضائی مہم میں روزانہ سینکڑوں طیارے ایرانی اہداف پر بمباری کر رہے ہیں۔ان حملوں میں میزائل فیکٹریاں، لانچ بیسز، دفاعی سائٹس اور صنعتی تنصیبات نشانہ بنائی جا رہی ہیں۔اسرائیل کا دعویٰ ہے کہ اس نے ایران کی میزائل پروڈکشن کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔امریکا نے THAAD سسٹم کا بھاری استعمال کیا ہے۔تخمینوں کے مطابق امریکا نے اپنے THAAD انٹرسیپٹرز کا تقریباً 40 فیصد حصہ چند ہفتوں میں استعمال کر لیا ہے۔اگر جنگ کی شدت برقرار رہی تو یہ ذخائر جلد ختم ہو سکتے ہیں جو امریکا کے لیے بڑا چیلنج ہے۔اس کے باوجود ایران نے اپنے دفاعی اور جوہری پروگرام کو نسبتاً محفوظ رکھا ہے۔اس کے میزائل حملے محدود مگر مؤثر رہے ہیں۔ایران نے اسرائیل کے چند صنعتی اور فوجی اہداف کو نشانہ بنایا جس سے اسرائیل کی فضائی دفاعی صلاحیت پر دباؤ پڑا ہے۔اسرائیل نے اپنے انٹرسیپٹرز کی بڑی تعداد استعمال کر لی ہے۔ایران کی حکمت عملی نے مخالف فریقوں کو ایک دلدل میں پھنسا دیا ہے جہاں طویل جنگ کے امکانات بڑھ گئے ہیں۔ایرانی قیادت کا موقف ہے کہ اسے ماضی میں دو بار (جون 2025 اور فروری 2026) دھوکہ دیا گیا اس لیے اب وہ فولادی ضمانتوں کے بغیر کوئی امن معاہدہ قبول نہیں کرے گی۔ایران چاہتا ہے کہ یہ عارضی جنگ بندی نہ ہو بلکہ ایک جامع اور دیرپا سیاسی حل ہو جو اس کی سلامتی کی ضمانت دے۔اس جنگ کے پیچھے ذاتی اور سیاسی عوامل بھی کارفرما ہیں۔بعض تجزیہ کار اسے اسرائیلی وزیراعظم کی ذاتی حکمت عملی قرار دیتے ہیں جبکہ امریکا کی شمولیت کو جوہری پھیلاؤ روکنے کی کوشش سمجھتے ہیں۔یہ تنازع اب وسیع تر اسٹریٹجک جنگ بن چکا ہے جس میں عرب ریاستوں اور یمن کے حوثیوں کا کردار بھی سامنے آرہا ہے۔حوثیوں نے اسرائیل پر میزائل حملے کیے ہیں جو جنگ کے دائرے کو پھیلا رہے ہیں۔کئی ممالک امن مذاکرات کی کوشش کر رہے ہیں مگر ایران نے امریکی تجاویز کو غیر حقیقت پسندانہ قرار دے کر مسترد کر دیا ہے۔عالمی معیشت پر جنگ کے اثرات واضح ہیں۔آبنائے ہرمز کی ناکہ بندی سے تیل کی قیمتیں آسمان کو چھو رہی ہیں۔شپنگ کمپنیاں متاثر ہوئیں اور تجارت کی لاگت بڑھ گئی ہے۔یہ صورتحال مشرق وسطیٰ کے علاوہ یورپ، ایشیا اور امریکا کی معیشتوں کو بھی غیر مستحکم کر رہی ہے۔طویل جنگ کی صورت میں مہنگائی، توانائی بحران اور معاشی سست روی کا خطرہ ہے۔ایران اپنی حکمت عملی سے فائدہ اٹھا رہا ہے جبکہ امریکا اور اسرائیل محدود نتائج کے لیے اپنی طاقت استعمال کر رہے ہیں۔ایران کی مزاحمت نے مخالفین کو سیاسی اور اقتصادی دباؤ میں ڈال دیا ہے۔امریکی حکام اب ”سیف ایگزٹ“ کی تلاش میں ہیں تاکہ سیاسی نقصان کم ہو۔اسرائیل کی فضائی برتری کے باوجود ایران کی صنعتی اور دفاعی صلاحیت ختم نہیں ہوئی۔ایران نے اپنے کلیدی پروگرام کو محفوظ رکھا اور مخالفین کو پیچیدہ سیاسی دلدل میں پھنسا دیا ہے۔یہ جنگ اب صرف عسکری نہیں بلکہ سیاسی، معاشی اور عالمی طاقت کے توازن کی جنگ بھی ہے۔موجودہ مذاکرات اور بین الاقوامی دباؤ کے باوجود ایران اپنی شرائط پر قائم ہے۔اس نے ثابت کیا ہے کہ وہ خطے میں اپنی حکمت عملی کے تحت کھیلنے کے لیے تیار ہے۔یہ صورتحال بتاتی ہے کہ مشرق وسطیٰ کا یہ تنازع کسی بھی لمحے بڑے عالمی بحران کی شکل اختیار کر سکتا ہے۔عالمی طاقتوں اور خطے کے ممالک کو فوری اور سنجیدہ حکمت عملی اپنانے کی ضرورت ہے ورنہ یہ کشیدگی طویل عدم استحکام کا باعث بن سکتی ہے۔مجموعی طور پر یہ جنگ خطے اور دنیا کے لیے اہم امتحان ہے۔ایران نے اپنی دفاعی تیاری اور تزویراتی حکمت عملی سے مضبوط موقف قائم کیا ہے۔امریکا اور اسرائیل عسکری طاقت استعمال کر رہے ہیں مگر محدود کامیابی کے ساتھ۔عالمی برادری اب سنجیدہ اقدامات کی طرف دیکھ رہی ہے۔یہ جنگ علاقائی سیاست کو تبدیل کر رہی ہے اور عالمی معیشت و طاقت کے توازن پر دور رس اثرات مرتب کرے گی۔اگر فوری جامع حل نہ نکلا تو یہ تنازع مزید پیچیدہ اور تباہ کن ہو سکتا ہے۔

سید آیت اللہ علی خامنہ ای: بزم دم گفتگو گرم دم جستجو

شہباز بڈگامی

مزاحمت ہی زندگی ہے اور جس نے اس راز کو پالیا، وہ بامراد ہوگیا۔ بلاشبہ سید آیت اللہ علی خامنہ ای اس کے عملی مصداق ٹھہرے، جو چھیاسی برس کی عمر میں اپنے پورے خانوادے سمیت جن میں معصوم بچے اور ان کی اہلیہ بھی شامل ہیں، قربان ہوگئے۔ انہوں نے اس تفریق کو ہمیشہ کیلئے مٹادیا، کہ ایران امریکہ اور اسرائیل کیساتھ نورا کشتی کرتا ہے۔ وہ مزید کتنے برس زندہ رہتے۔ البتہ جس راستے کا انہوں نے انتخاب کیا، اس میں موت کے بعد ہی حقیقی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ وہ ایک بار نہیں بلکہ بار بار شہادت کی دعا مانگتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دلی مراد پوری کی ہے۔ ان کی شہادت نے پوری مسلم امہ کو بلالحاظ مسلک رنجیدہ اور دل گیر کیا ہے اور ہر آنکھ نم ہو چکی ہے۔ البتہ سید آیت اللہ علی خامنہ ای کی شہادت نے وقت کے فرعون کو مکمل طور پر ننگا کیا ہے۔ ان کی شہادت نے اب اگر مگر اور چونکہ چنانچہ سے علی الرغم یہ واضح لکیر کھینچی ہے کہ حق پرست معاشی اور دفاعی طور پر کمزور ہی سہی انہیں شہادت کے راستے پر چلنے سے نہ پہلے روکا جاسکا، نہ اب روکا جاسکتا ہے اور نہ ہی تا صبح قیامت انہیں روکا جائے گا۔ حق پرست قلیل سہی مگر باطل کی خدائی انہیں قبول اور تسلیم نہیں ہے۔ میدان بدر سے لیکر وادی کربلا تک یہ درس رہتی دنیا تک موجود اور باقی ہے۔ 31 جولائی 2024 کو مقتل میں تنہا کھڑی حماس کے قائد جناب اسماعیل ہانیہ نے تہران میں اپنی شہادت سے چند گھنٹوں قبل سید آیت اللہ علی خامنہ ای کیساتھ ملاقات میں اس بات کا اظہار کیا کہ لوگ چلے جاتے ہیں، نئے لوگ ان کی جگہ پُر کرتے ہیں، اصل مقصد تحریک کا جاری اور زندہ رہنا ہے۔ پھر اسی مقتل میں ایک اور قائد جناب یحییٰ سنوار نے شہادت کو ایسے گلے لگایا کہ اپنے تو اپنے پرائے بھی عش عش کر اٹھے۔ اب سید آیت اللہ علی خامنہ ای بھی اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سرخرو ٹھہرے۔

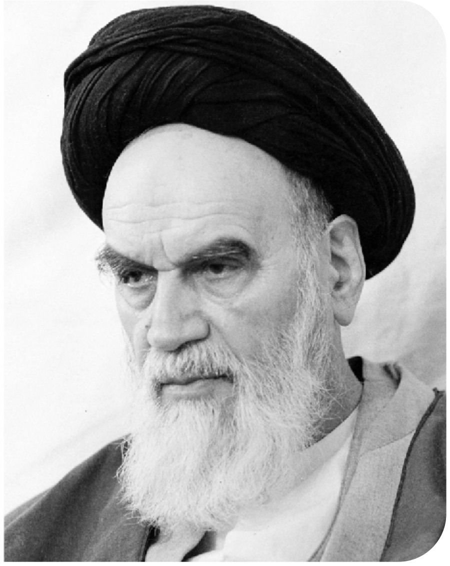

مزاحمت ہی زندگی ہے اور جس نے اس راز کو پالیا، وہ بامراد ہوگیا۔ بلاشبہ سید آیت اللہ علی خامنہ ای اس کے عملی مصداق ٹھہرے، جو چھیاسی برس کی عمر میں اپنے پورے خانوادے سمیت جن میں معصوم بچے اور ان کی اہلیہ بھی شامل ہیں، قربان ہوگئے۔ انہوں نے اس تفریق کو ہمیشہ کیلئے مٹادیا، کہ ایران امریکہ اور اسرائیل کیساتھ نورا کشتی کرتا ہے۔ وہ مزید کتنے برس زندہ رہتے۔ البتہ جس راستے کا انہوں نے انتخاب کیا، اس میں موت کے بعد ہی حقیقی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔

آیت اللہ علی خامنہ ای ایران کے سپریم لیڈر تھے اور ان کا شمار نہ صرف ایران کی سیاست میں بلکہ عالمی سطح پر بھی ایک اہم اور طاقتور شخصیت کے طور پر تسلیم کیا جاتا تھا۔ ان کی زندگی کا سفر نہ صرف ایرانی تاریخ کا ایک اہم حصہ ہے، بلکہ اس میں اسلامی انقلاب اور اس کے بعد کی سیاسی تبدیلیوں کے بھی گہرے اثرات مرتب ہیں۔ آیت اللہ علی خامنہ ای 1939 میں ایران کے مشہور شہر مشہد میں پیدا ہوئے۔ وہ شروع سے مذہبی خاندان کا پس منظر رکھتا تھا اور ان کے والد جواد خامنہ ای ایک مذہبی رہنما تھے۔ آیت اللہ علی خامنہ ای نے ابتدائی تعلیم مشہد کے ہی ایک مدرسے میں حاصل کی، جہاں انہوں نے ابتدائی دینی علوم پڑھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد وہ عراق کے شہر نجف گئے، انہوں نے شیعہ فقہ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ یہیں پے وہ آیت اللہ روح اللہ خمینی کے شاگرد بنے اور انہیں ان سے بہت کچھ سیکھنے کا موقع میسر آیا۔ نجف میں وہ اسلامی تعلیمات اور دین کی گہری معلومات میں مصروف عمل رہے۔

1960 اور 1970 کی دہائی میں شاہ ایران رضا شاہ پہلوی کی آمریت کے خلاف ایک تحریک عروج پر تھی۔ اس تحریک میں آیت اللہ خامنہ ای نے بھرپور حصہ لیا اور وہ جلاوطنی میں رہنے والے آیت اللہ روح اللہ خمینی کے حامی اور وفادار بن گئے۔ آیت اللہ خمینی کی قیادت میں اسلامی انقلاب کی کوششیں جاری تھیں، اور خامنہ ای اس انقلاب کے بنیادی نظریات اور اہداف کے پرزور حامی تھے۔ شاہ ایران کی خفیہ پولیس، SAVAK، نے آیت اللہ خامنہ ای کو متعدد بار گرفتار کیا۔ ان پر

تشدد کیا گیا اور انہیں جیل میں ڈال دیا گیا،لیکن ان کی سیاسی جدوجہد ماند نہ پڑسکی۔خامنہ ای کو چھ مرتبہ گرفتار کیا گیا اور انہیں اذیتیں بھی دی گئیں،مگر ان کے عزم وحوصلے کبھی مضمحل نہیں ہوئے۔ان کی جدوجہد اس بات کا غماز ہے کہ انہوں نے ایران میں اسلامی انقلاب کیلئے اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی۔

1979 میں ایران میں بھرپور عوامی تائید سے اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد شاہ ایران کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا۔یہی انقلاب ایران میں اسلامی جمہوریہ کا باعث بن گیا،جس کا مقصد ایک اسلامی ریاست کا قیام تھا۔انقلاب کی قیادت آیت اللہ خمینی نے کی تھی،اور اس کے نتیجے میں ایران میں ایک نیا سیاسی نظام رائج پایا۔آیت اللہ خامنہ ای کو انقلاب کی تحریک میں حصہ لینے کیلئے اسلامی انقلابی کونسل کا رکن مقرر کیا گیا۔اس کونسل کا مقصد انقلاب کے بعد انتظامات اور اصلاحات کا جائزہ لینا تھا۔

1981 میں آیت اللہ خامنہ ای نے اسلامی جمہوریہ ایران کے بطور صدر انتخابات میں حصہ لیا اور وہ 95 فیصد ووٹ لے کر منتخب ہوئے۔تاہم ان کی صدارت کا آغاز ایک خونریز واقعے سے ہوا۔ان پر ایک قاتلانہ حملہ ہوا جس میں آیت اللہ خامنہ ای شدید زخمی ہوئے اور ان کا دایاں بازو تقریباً ناکارہ ہو چکا تھا۔یہ واقعہ ان کی زندگی میں ایک اہم موڑ ثابت ہوا،جس نے ان کے عزم و ہمت کو مزید مستحکم کیا۔

سپریم لیڈر کی حیثیت اور رہبر آیت اللہ خمینی کی وفات کے بعد، 1989 میں آیت اللہ علی خامنہ ای نے سپریم لیڈر کے طور پر ایران کی قیادت سنبھالی۔انہیں اسلامی علما کے 88 رکنی ادارے مجلس خبرگان نے نیا سپریم لیڈر منتخب کیا تھا۔سپریم لیڈر کی حیثیت سے خامنہ ای نے ایران کی سیاسی، مذہبی اور عسکری دستوں کی قیادت سنبھالی۔جس کا فریضہ وہ شہادت اور خون کا آخری قطرہ بہانے تک انجام دیتے رہے۔سپریم لیڈر کے طور پر ان کے پاس ویٹو کی طاقت تھی اور وہ کسی بھی حکومتی معاملے میں حتمی فیصلہ کرنے کا آخری اختیار بھی رکھتے تھے۔آیت اللہ خامنہ ای کا کہنا تھا کہ ایران کی طاقت کا سرچشمہ عوام کی حمایت اور اسلامی اقدار میں ہے۔ان کے اقتدار میں ایران نے اپنے داخلی امور میں بھرپور قوت اور فتوحات حاصل کیں، اور

بین الاقوامی سطح پر بھی ایک واضح موقف اختیار کیا۔خامنہ ای نے اپنے دور اقتدار میں ایران کی حکومتی حکمت عملی اور عمل داری کو جدید طرز پر استوار کیا۔ان کے دور میں ایران نے اپنی دفاعی پوزیشن کو مستحکم کیا اور دنیا بھر میں اپنی فوجی طاقت کو بڑھایا۔اس کے علاوہ انہوں نے ایران کی معیشت کی ترقی کیلئے بھی کئی موثر اقدامات کیے،لیکن ان کے ناقدین ان کی پالیسیوں پر تنقید بھی کرتے رہے۔جبکہ رہی سہی کسر امریکی سامراج کی پابندیاں نے پوری کیں۔انہی کی قیادت میں ایران نے اپنے جوہری پروگرام کو بھی ترقی دی،جس کی وجہ سے عالمی استعمار امریکہ سید آیت اللہ علی خامنہ ای کی جان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا، یہاں تک کہ 28 فروری کو ان کے کمپاؤنڈ پر ایک ٹن وزنی تیس بم ایک ساتھ گرائے گئے،جس میں وہ اور ایران کے دوسرے اعلیٰ حکومتی اور فوجی عہدیدار مرتبہ شہادت پر فائز ہوئے۔

آیت اللہ خامنہ ای نے ہمیشہ ایران کی خارجہ پالیسی کو ''مزاحمت کا جغرافیہ یا محور'' قرار دیا۔ان کے مطابق ایران کو عالمی سطح پر اپنے مفادات کی حفاظت کیلئے مزاحمت کرنی چاہیے۔اس میں فلسطین، لبنان، عراق اور شام جیسے خطوں میں ایران کی سرگرم مزاحمت شامل تھی۔ایران کی ان پالیسیوں کو بعض عالمی طاقتوں نے تنقید کا نشانہ بھی بنایا،لیکن خامنہ ای نے ان پالیسیوں کو ایران کی خودمختاری اور اسلامی اقدار کے تحفظ کیلئے ناگزیر قرار دیا۔وہ مقبوضہ جموں وکشمیر کے مظلوم عوام کے حق خودارادیت کے بھی بڑے حامی تھے۔جس کا اظہار ان کی گفتگو پر مبنی ویڈیوز میں ان کی سیر حاصل گفتگو اور 05 اگست 2019 میں مودی کی جانب سے مقبوضہ جموں وکشمیر کی خصوصی حیثیت کی منسوخی کے خلاف ایرانی پارلیمنٹ میں متفقہ قرارداد کی منظوری ہے، جو اہل کشمیر کیساتھ ان کی بھرپور یکجہتی اور تحریک آزادی کی مکمل حمایت کا عکاس ہے۔ 1980 میں وہ مقبوضہ جموں وکشمیر کے اہم دورے پر آئے تھے،اور پھر جامع مسجد سرینگر میں ایک تاریخی خطاب میں شیعہ سنی اتحاد کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔جو ان کی بیرون ریاست مسلم امہ کیساتھ بہتر اور مثبت تعلقات کو ہم آہنگ اور مضبوط کرنے کا مظہر تھا۔سید آیت اللہ علی خامنہ ای کے دورہ مقبوضہ جموں وکشمیر کو مذہبی تاریخ میں ایک سنگ میل قرار دیا جاتا ہے، جس سے مقبوضہ ریاست میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو بھرپور فروغ ملا۔

اگرچہ آیت اللہ خامنہ ای کی سیاسی حیثیت بہت طاقتور تھی، مگر وہ اپنی ذاتی زندگی میں سادگی کو پسند کرتے تھے۔وہ اکثر مرکزی تہران میں واقع اپنے کمپاؤنڈ میں اپنی اہلیہ کیساتھ سادہ زندگی بسر کرتے تھے اور ایران سے باہر کم ہی سفر کرتے تھے۔ان کی سادگی اور عوام کیساتھ تعلقات نے انہیں ایک مقبول رہنما کے طور پر متعارف کرایا، حالانکہ ان کے سیاسی فیصلوں پر مختلف آرا پائی جاتی ہیں۔لیکن وہ نرم مزاج اور سادہ طبیعت کے مالک تھے۔وہ شاعر مشرق،فلسفی اور مملکت خداداد کے خواب کو تعبیر میں بدلنے والے علامہ سر محمد اقبال کے بڑے پرستار اور دلدادہ

تھے۔وہ انہیں اقبال لاہوری کے نام سے پکارتے تھے۔فارسی زبان میں علامہ اقبال کی شاعری کو جو مقام اور اعزاز ایران میں حاصل ہے،شاید ہی کہیں اور ہو۔

سید آیت اللہ علی خامنہ ای کی زندگی نہ صرف ایران کی سیاسی تاریخ میں ایک اہم عنصر ہے بلکہ اس میں کئی اہم اسباق بھی پنہاں ہیں۔ان کی جہد مسلسل،عزم وہمت اور ایران کی ترقی کیلئے ان کی کاوشوں نے انہیں ایک عظیم رہنما کے طور پر دنیا کے سامنے متعارف کرایا ہے۔ایران کی سیاست اور عالمی سطح پر ایران کے اثر و رسوخ میں ان کا کردار ہمیشہ ایک اہم موضوع رہے گا۔ آیت اللہ خامنہ ای کی شخصیت نے نہ صرف ایران کو ایک نئی سمت دی بلکہ عالمی سطح پر بھی ایک اہم مقام دلوایا۔جس کے کم لوگ مصداق ٹھہرتے ہیں۔یوں یہ بوڑھا شخص آخری بازی بھی اپنی مرضی کے عین مطابق جیت گئے۔ایسی نابغہ روزگار شخصیات صدیوں بعد جنم لیتی ہیں۔جس کی قومیں مقروض ہوتی ہیں،جس کا قرض چکانے میں صدیاں بیت جاتی ہیں،تب بھی سید آیت اللہ خامنہ ای جیسے مدبر،نظریہ ساز،زبان وادب،ثقافت،معاشرت اور مذہبی اقدار کی حفاظت کی پیروی کرنے والے خال خال ہی

پیدا ہوتے ہیں۔وہ جاتے جاتے بھی پوری قوم کو ایسے متحد کر گئے کہ جب یکم مارچ 2026 کو ان کی شہادت کی تصدیق کی گئی تو تہران کے گلی کوچے لوگوں سے اٹے پڑے تھے۔ایسے ہوتے ہیں قوم کے رہنما اور آغا۔جس نے یہ کہہ کر زیر زمین بنکر میں جانے سے انکار کیا کہ پہلے پوری قوم کیلئے زیر زمین بنکروں میں منتقل کا اہتمام کیا جائے تب ہی وہ زیر زمین بنکر میں منتقل ہوں گے۔

ان کی شہادت نے دنیا بھر میں یہود وہنود کو تنہا کیا ہے کہ آج ٹرمپ دنیا کو اپنے ساتھ ملانے کیلئے کبھی دھونس تو کبھی طعنوں کا سہارا لے رہا ہے مگر دنیا ٹرمپ کی دھمکیوں اور طعنوں سے بے پرواہ ایران کے خلاف امریکی اسرائیلی جارحیت سے خود کو الگ تھلگ کر چکی ہے۔مشرق وسطی میں امریکی اڈوں اور ان کی دوسری تنصیبات کی ایران نے اینٹ سے اینٹ بجادی ہے۔ناقابل شکست سمجھے جانے والے صہیونی اسرائیل کا حشر نشر کیا گیا ہے اور پہلی بار دمونہ شہر میں قائم اسرائیلی نیوکلیئر سائٹ کو ایران نے میزائلوں سے براہ راست نشانہ بنا کر دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا ہے۔

مقبوضہ جموں وکشمیر میں اہل کشمیر نے ایران کی مدد کیلئے سونے، تانبے،نقد، گاڑیوں،موٹر سائیکلوں اور جانوروں کے ڈھیر لگا دیئے۔شعیہ سنی کی تفریق مٹ گئی ہے اور بھارت میں ایرانی سفارتخانے نے اہل کشمیر کے اس جذبہ ہمدردی کے پہلو کو سراہتے ہوئے ہدیہ تبریک پیش کیا اور کہا کہ اہل ایران اس غیر معمولی جذبے اور اسلامی اخوت کو کبھی نہیں بھولے گا۔یہ سہرا بھی سید آیت اللہ خامنہ ای کو جاتا ہے جس کی شہادت نے مشرق ومغرب اور شمال و جنوب میں صہیونت کو لرزہ براندام کیا ہے۔اہل ایران اس غیر معمولی جذبے اور اسلامی اخوت کو کبھی نہیں بھولیں گے۔

ان کی شہادت نے دنیا بھر میں یہود وہنود کو تنہا کیا ہے کہ آج ٹرمپ دنیا کو اپنے ساتھ ملانے کیلئے کبھی دھونس تو کبھی طعنوں کا سہارا لے رہا ہے مگر دنیا ٹرمپ کی دھمکیوں اور طعنوں سے بے پرواہ ایران کے خلاف امریکی اسرائیلی جارحیت سے خود کو الگ تھلگ کر چکی ہے۔مشرق وسطی میں امریکی اڈوں اور ان کی دوسری تنصیبات کی ایران نے اینٹ سے اینٹ بجادی ہے۔ناقابل شکست سمجھے جانے والے صہیونی اسرائیل کا حشر نشر کیا گیا ہے اور پہلی بار دمونہ شہر میں قائم اسرائیلی نیوکلیئر سائٹ کو ایران نے میزائلوں سے براہ راست نشانہ بنا کر دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا ہے۔

محمد شہباز بڈگامی معروف کشمیری صحافی اور کالم نگار ہیں۔
کشمیرالیوم کیلئے مستقل بنیادوں پر بلا معاوضہ لکھتے ہیں۔

علی کے مکتب میں ”علی والے“

مادی پیمانوں سے ماورا ہو کر روحانی مظہر بن جاتے ہیں

سید علی شاہ گیلانیؒ سے سید علی خامنہ ایؒ تک۔۔۔کہانی ایک ہی ہے

علی لاریجانی اور دیگر عسکری قائدین کی شہادت کے باوجود ایران کا دفاع مضبوط رہا

رضا پہلوی کی رجیم چینج کی کوششیں ناکام اور عوامی تائید سے خالی رہیں

ڈونلڈ ٹرمپ کے متنازع بیانات نے ایران کو مزید قوت اور عالمی بیانیہ دیا

تل ابیب میں ایران کے جوابی وار سے اسرائیل اور مغربی طاقتیں خوفزدہ ہوگئیں

ایران کی فتح نے نیو ورلڈ آرڈر کی تمہید اور عالمی طاقتوں کے توازن کو بدل دیا

سید عمر اویس گردیزی

از بس کہ افلاکِ سیاست کے افق بے کراں پر انقلابات آتشیں کے شعلے رقصاں ہیں اور کرۂ ارض کے مشرقی آستانوں میں اضطرابِ ہستی کی دھندلی پرتیں مسلسل گہری ہوتی جا رہی ہیں، یوں محسوس ہوتا ہے گویا زمان و مکاں کی باہم پیچیدہ گرہیں کسی مہیب انکشاف کے دہانے پر آ کھڑی ہوئی ہوں۔ یہ ماجرا محض نزاعِ حدود و قیود نہیں، بلکہ تصادمِ نظریات، تلاطمِ اقتدار اور تصارُعِ تہذیبی خودی کا ایک ایسا طلسماتی منظر نامہ ہے جس میں ہر سمت سے اٹھنے والی صدائیں ایک ہمہ گیر ہنگامۂ کائنات کا پتہ دیتی ہیں۔ درحقیقت یہ کشاکشِ نادیدہ قوتیں اور یہ تصادمِ اراداتِ متضاد، محض عسکری محاذ آرائی کی سطحی تعبیر سے ماورا ایک عمیق تر معنویت کے حامل ہیں؛ جہاں اقتدار کی ہوسِ بے مہار، تاریخ کے اوراق پر لہو سے رقم ہونے والے ابواب کو از سرِ نو ترتیب دینے کے درپے ہے۔ اس مہیب افق کے پس منظر میں وہ تمام عناصر، جو کبھی محض سیاسی بیانیے سمجھے جاتے تھے، اب ایک ہمہ گیر داستان عبرت میں ڈھلتے جا رہے ہیں، جہاں ہر کردار اپنے اپنے مقدر کی زنجیروں میں جکڑا، ایک ناگزیر انجام کی جانب محوِ سفر ہے۔

مشرقِ اوسط کے اقلیمِ ملتہب میں جمہوریۂ ایران ریاستِ اسرائیل اور متحدہ ریاست ہائے امریکہ کے مابین کشاکشِ مستمر

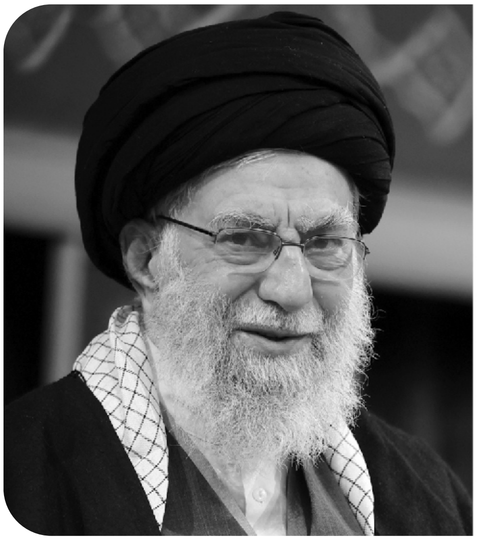

مدتِ مدیدہ سے جاری و ساری تھی، لیکن ایامِ قریبہ میں اس نے صورتِ حربِ عریاں اختیار کر کے افقِ زمانہ کو مضطرب و متزلزل کر دیا۔ اسرائیلی و امریکی افواج کی جانب سے ایران کے مراکزِ جوہری و عسکری پر ہدفی یورشوں اور قصفِ مسلسل نے اس خطۂ ارض کو شعلہ فشاں دہکتے الاؤ میں تبدیل کر دیا۔ تنصیباتِ کلیدی، مراکزِ دفاعی اور مقاماتِ نہایت حساس پر وارد ہونے والے یہ ضربات نہ صرف ایران کے لیے موجبِ خسران و ابتلا ٹھہرے بلکہ پورے خطے کو خوفِ مہیب اور عدمِ یقین کی دبیز چادر میں ملفوف کر گئے۔

ایران نے ان یورشوں کے تعاقب میں جوابی فعلیتِ غیر معمولی کا مظاہرہ کیا، جس نے معادلاتِ قویٰ کو ارتعاش میں مبتلا کر دیا۔ تل ابیب سمیت اسرائیل کے امہاتُ المدن پر میزائیلوں کی بارش نے نظامِ دفاعی اسرائیل کو کڑی آزمائش میں ڈال دیا۔ متعدد مقامات پر تباہی و بربادی کی وہ ہیبت ناک تصاویر وتقاریر منصۂ شہود پر آئیں جنھوں نے اس امر کا اشارہ دیا کہ معرکہ اب یک رُخی نہ رہا، بلکہ ایران نے توازنِ اقتدار کو مبدل کرنے کی سعیِ پیہم اختیار کر لی ہے۔ اس ردِّ عملِ آتشیں کو حامیانِ ایران، مظلومانِ غزہ کے انتقام کی تمثیل قرار دیتے ہیں۔ ادھر خود ایران کے اندرونِ ملک بھی نقصاناتِ جاں گداز کی اطلاعات موصول ہوئیں، جہاں شخصیاتِ عسکریہ اور عوامی عناصر کی ہلاکتیں موجبِ حزن والم بنیں۔ ایران نے ان شہادات کو استعارۂ مزاحمت میں ڈھال کر ایک ایسا بیانیۂ مستحکم ترتیب دیا جس میں یہ جنگ محض تحدیدِ جغرافیہ نہیں بلکہ صیانتِ عزت، تحفظِ خودمختاری اور بقا کے نظریہ کی معرکہ آرائی قرار پائی۔ یہی سبب ہے کہ شدید تر دباؤ اور محاصرات کے باوجود ایران پسپائی کی بجائے ثبات واستقامت کا پیکر دکھائی دیتا ہے۔ یہ اضطرابِ خطہ صرف ایران و اسرائیل تک محدود نہ رہا بلکہ مشرقِ اوسط میں قائم امریکی اڈے بھی اس آتشِ نزاع کی لپیٹ میں آ گئے، جس کے نتیجے

میں امریکہ کو اپنی عسکری موجودگی پر تجدیدِ نظر کی ناگزیریت کا سامنا کرنا پڑا۔ اسی اثنا میں بعض ممالکِ عربیہ کی جانب سے امریکہ کو تسہیل و اعانت فراہم کیے جانے پر شدید نقد و جرح بھی منظرِ عام پر آئی، اور ایک مکتبۂ فکر نے یہ استفسار اٹھایا کہ اگر کسی سرزمین کو دوسرے ملک پر قصف و یورش کے لیے مستعمل کیا جائے تو ردِ عمل ایک امرِ فطری و ناگزیر ٹھہرتا ہے۔ سیاسی و عوامی بیانیات کے افق پر بھی ایک بین الانقسام کیفیت جلوہ گر ہوئی؛ کچھ طبقات نے اسے جراتِ ایمانی اور مزاحمتِ ایران کا استعارہ قرار دیا، جب کہ دیگر نے اسے ایک مہلک و مہیب جنگ گردانا جو عالم اسلام کو مزید ضعف و انتشار میں مبتلا کر سکتی ہے۔ تفرقۂ ممالک، جغرافیائی سیاست کی پیچیدگیاں اور قوتوں کی عالمی مداخلت نے اس نزاع کو مزید پر پیچ بنا دیا ہے۔ اہم امر یہ ہے کہ تاحنوز کوئی مستند و معتبر عالمی تصدیق اس امر کی موجود نہیں کہ یہ جنگ قطعی طور پر کسی ایک فریق کے حق میں منتج ہو چکی ہو یا کسی عالمی قائد نے صریحاً شکست کا اعتراف کیا ہو۔

> ایک طرف بقاء کی تدبیر ہے اور دوسری جانب بقاء سے بالاتر ہو کر بقا کے نظریہ کا عزم۔ یہی وہ مقام ہے جہاں کربلا کا استعارہ محض تاریخ نہیں رہتا بلکہ ایک زندہ و جاوید فلسفہ بن کر سامنے آتا ہے، وہ فلسفہ جس میں ''شہادت'' شکست نہیں بلکہ ابدی فتح کی تمہید ہوتی ہے۔ یہی رمز ہمیں مقبوضہ کشمیر کی سنگلاخ وادیوں میں بھی نظر آتی ہے، جہاں بھارتی جبر و استبداد کے بالمقابل جس مردِ درویش نے استقامت کا علم بلند کیا، وہ سید علی شاہ گیلانی ؒ تھے۔ وہ بھی ''علی'' تھے، نام میں بھی، مزاج میں بھی، اور جرأت ایمانی میں بھی۔

اکثر ممالک عالم اسلام نے اس نزاعِ مہیب میں اظہارِ جانب داری صریح سے احتراز کرتے ہوئے ایک نہایت محتاط و مدبّرانہ طرزِ سفارت اختیار کیا، جس میں توازنِ اقوال و افعال کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی ایک فریق کی علانیہ تائید سے گریز برتا گیا۔ مملکتِ سعودی عرب اور دیگر ریاستہائے خلیج پر یہ الزام عائد کیا جاتا رہا کہ انہوں نے ریاستہائے متحدہ امریکہ کو خطۂ مذکور میں سہولیاتِ حربی و اعانتِ لاجسٹک فراہم کیں، خصوصاً اڈہ جاتی رسائی اور عسکری معاونت کے ضمن میں ناقدین فکر اس امر پر مصر رہے کہ اگر کسی ارضِ مسلم کو کسی دوسرے ملک مسلم کے خلاف موردِ استعمال بنایا جائے تو ردِ عمل کا ظہور ایک امرِ فطری و لازمی قرار پاتا ہے۔ ریاستِ ترکیہ نے نسبتاً معتدل، متوازن اور محتاط حکمتِ عملی اختیار کرتے ہوئے ایک جانب قضیۂ فلسطین وغزہ کے حق میں صدائے احتجاج بلند رکھی، تو دوسری جانب براہِ راست معرکہ آرائی میں مداخلت سے احتراز کیا۔ اس نے سطحِ سفارت پر تخفیفِ تناؤ کی سعی کرتے ہوئے خود کو ایک ممکنہ ثالث و مصالحت کار کے قالب میں پیش کیا۔ مملکتِ پاکستان نے بھی ایک نہایت دقیق و اصولی موقف اپنایا، جہاں سرکاری بیانیے میں قیامِ امن، صیانتِ خودمختاری اور اتحادِ ملتِ اسلامیہ پر زور دیا گیا، جب کہ عوامی سطح پر ایران و فلسطین کے حق میں جذباتِ حمیت نمایاں رہے۔ تاہم پاکستان نے کسی بھی براہِ راست عسکری تصادم میں ملوث ہونے سے احتراز کیا، کیونکہ اسے درپیش داخلی و سرحدی معضلات بھی کم نہ تھے۔

> قیادت اگر خوف کے سائے میں پناہ ڈھونڈنے لگے تو قومیں بھی بکھر جاتی ہیں، لیکن جب قیادت خود کو میدانِ آزمائش میں پیش کر دے تو قومیں تاریخ رقم کرتی ہیں۔ یہی وہ فلسفہ ہے جو کربلا سے لے کر کشمیر تک اور تہران سے لے کر ہر مظلوم خطے تک ایک ہی صدا میں گونجتا ہے، کہ حق کے علمبردار کبھی مٹتے نہیں، وہ یا تو فتح لکھتے ہیں یا پھر اپنی شہادت سے تاریخ کو زندہ کر دیتے ہیں۔ بنیادِ مزاحمتِ ایران از ابتدا ہی مفہوم ایثار و استشہاد پر مرتکز رہی ہے، جہاں رہبر معظم، آیت اللہ سید علی خامنہ ای، محض منصبِ قیادت کے حامل نہ رہے بلکہ اپنے خانوادۂ نسب کے لختہائے جگر کو بھی راہِ فدا میں پیش کرنے کی تمثیل بنے۔ مخالف قوتوں کا گمان تھا کہ قرابتِ خاندانی کو نشانہ بنا کر عزمِ قیادت میں رخنہ اندازی ممکن ہوگی، مگر تواریخِ معاصر شاہد ہیں کہ ان واقعاتِ جاں گداز نے قیادت کو مزید ہمت و حوصلہ عطا کیا۔ ان قربانیوں کو ایرانی بیانیہ بطورِ دلیل صداقت پیش کرتا ہے کہ قیادت محض ایوانی آسائشوں کی اسیر نہیں بلکہ اس کا لہو بھی اسی تراب میں جذب ہے جس کی صیانت اس کے فرائض میں شامل ہے۔

پاکستان و افغانستان کے مابین کشیدگی نے اس تمام تر منظرنامے کو مزید حساس و پیچیدہ بنا دیا۔ سرحدی تصادمات، وارداتِ دہشت گردی اور فقدانِ اعتمادِ باہمی نے پاکستان کو ایک جداگانہ محاذ پر الجھا دیا، جہاں اسے ہمہ وقت چوکسی و استحکام درکار رہا۔ بعض اصحابِ تجزیہ اس صورتِ حال کو ایک حکمتِ عملی سے بھی منسوب کرتے ہیں، جس کے تحت کسی ریاست کو ثانوی محاذ پر مصروف رکھ کر اس کے کردار کو بڑے تنازعات میں محدود کر دیا

جاتا ہے۔ یوں پاکستان کے لیے ایک نہایت کٹھن توازن قائم رکھنا ناگزیر ہوا، مشرقِ اوسط کی ہیبت ناک صورتحال پر نظر بھی اور مغربی سرحد کی صیانت بھی۔

آبنائے ہرمز کے حوالہ سے ایران کی جانب سے انسداد یا تحدیدِ گزرگاہ کی دھمکی و اشارات نے عالمی معیشت کو ارتعاش میں مبتلا کر دیا۔ یہ آبی گزرگاہ، جو شریانِ تیل عالم سمجھی جاتی ہے، اس کی بندش عالمی اقتصادیات کے لیے زلزلہ خیز نتائج کی حامل ہوسکتی ہے۔ ایران نے اس عنصر کو ایک تزویراتی ہتھیار کے طور پر برتتے ہوئے یہ پیغام دیا کہ اگر اس پر جبر و دباؤ میں اضافہ کیا گیا تو وہ عالمی سطح پر بھی اثر انداز ہونے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس صورتحال نے امریکہ اور اس کے حلیفان کو ایک نہایت نازک و پیچیدہ چیلنج سے دوچار کر دیا۔

ایران نے اپنے محدود وسائل کے باوجود جس انداز میں ردِّعمل کا اظہار کیا، اس نے معادلۂ قوت کو ارتعاش میں ڈال دیا۔ اسرائیلی حدود میں حملہ آور ہونا، امریکی مفادات کو نشانہ بنانا، اور خطے میں اپنی فعّال موجودگی کو برقرار رکھنا، یہ سب اس امر کی غمازی کرتے ہیں کہ ایران محض مدافعتی نہیں بلکہ تعرضی صلاحیتوں کا بھی حامل ہے، حامیانِ ایران کے نزدیک اس نے اسرائیل کو زک پہنچانے کے ساتھ امریکہ کو بھی ایک پیچیدہ مخمصے میں ڈال دیا، جب کہ ناقدین کے نزدیک یہ نزاع ابھی مرحلۂ فیصلہ تک نہیں پہنچا اور کسی حتمی فتح کا اعلان قبل از وقت ہے۔ یہ نزاع ایک اور حقیقت کو بھی منکشف کرتا ہے، یعنی امتِ مسلمہ کی داخلی تفریق۔ بعض ممالک نے مغربی اتحاد سے روابط کو ترجیح دی، کچھ نے غیر جانبداری کا لبادہ اوڑھا، اور کچھ عوامی سطح پر ایران یا فلسطین کے حامی دکھائی دیے۔ اس تمام ترکیفیت نے یہ بنیادی سوال اٹھایا کہ آیا عالم اسلام کسی مشترکہ و متفقہ موقف پر مجتمع ہوسکتا ہے یا نہیں۔ تفرقۂ مسالک (شیعہ وسنی) کو بھی اس پس منظر میں موضوعِ بحث بنایا گیا، تاہم اکثر اربابِ بصیرت اس امر پر متفق دکھائی دیتے ہیں کہ اصل قضیہ جغرافیائی سیاست، توازنِ قوت اور عالمی مفادات کا ہے، نہ کہ محض مسلکی اختلافات کا۔ مجموعی طور پر یہ صورتحال ایک نہایت پیچیدہ جیو پولیٹیکل شطرنج کی عکاس ہے، جہاں ہر ریاست اپنے مفادات کے تابع چالیں

> ایرانی عوام کے اندر جو جذبہ استقامت، حمیت اور مزاحمت موجزن دکھائی دیتا ہے، وہ اس امر کا مظہر ہے کہ خارجی دباؤ اور داخلی صدمات کے باوجود قومی بیانیہ متزلزل ہونے کے بجائے مزید راسخ ہوتا جا رہا ہے۔ اسی سیاق میں سابق شاہِ ایران کے خانوادے سے منسوب شخصیت، رضا پہلوی، کی جانب سے مبینہ رجیم چینج کی مساعی کو بھی ایرانی ریاستی بیانیے میں ناکام و غیر مؤثر قرار دیا جاتا ہے، جسے عوامی سطح پر خاطر خواہ پذیرائی حاصل نہ ہوسکی۔ یہ زاویۂ نگاہ اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ خارجی دباؤ، داخلی یکجہتی کو مضمحل کرنے کے بجائے بعض اوقات اسے مزید مستحکم کر دیتا ہے۔

چل رہی ہے۔ ایران نے مزاحمتی حکمتِ عملی اور تزویراتی دباؤ کے ذریعے خود کو ایک مؤثر فریق کے طور پر منوایا، جب کہ امریکہ و اسرائیل کو بھی متعدد محاذوں پر چیلنجز درپیش آئے۔ تاہم یہ کہنا کہ یہ جنگ کسی ایک فریق کے حق میں قطعی انجام کو پہنچ چکی ہے، ہنوز قبل از وقت ہے؛ البتہ اس نزاع نے عالمی توازنِ قوت، وحدتِ عالم اسلام اور مستقبل خطہ کے حوالے سے نہایت گہرے سوالات کو جنم دے دیا ہے۔ ابھی حال ہی میں سینئر صحافی حامد میر صاحب کا ایک مضمون نظر سے گزرا " علی سے علی تک" یہ کالم محض ایک بیانیہ نہیں بلکہ ایک فکری تمثیل ہے، ایک ایسا استعاراتی مرقع جس میں تاریخ، عقیدہ، قیادت اور مزاحمت کی روح ایک دوسرے میں یوں مدغم ہو جاتی ہے جیسے وقت کے صحیفے پر خونِ شہداء سے لکھی گئی کوئی ابدی تحریر۔ حامد میر نے جس انداز میں اس مکالمے کو پیش کیا، وہ دراصل واقعہ کم اور ایک نظریاتی اعلامیہ زیادہ محسوس ہوتا ہے، ایسا اعلامیہ جو یہ باور کرواتا ہے کہ قیادت فقط حکمتِ عملی کا نام نہیں بلکہ اپنے نظریے پر کامل استقامت کا دوسرا نام ہے۔ اس داستان میں علی لاریجانی اور علی خامنہ ای کا مکالمہ دراصل دو افراد کے درمیان گفتگو نہیں بلکہ دو ادوار، دو زاویہ ہائے فکر اور دو طرزِ قیادت کا تقابل ہے۔ ایک طرف بقاء کی تدبیر ہے اور دوسری جانب بقاء سے بالاتر ہو کر بقا کے نظریہ کا عزم۔ یہی وہ مقام ہے جہاں کربلا کا استعارہ محض تاریخ نہیں رہتا بلکہ ایک زندہ و جاوید فلسفہ بن کر سامنے آتا ہے،

وہ فلسفہ جس میں ''شہادت'' شکست نہیں بلکہ ابدی فتح کی تمہید ہوتی ہے۔ یہی رمز ہمیں مقبوضہ کشمیر کی سنگلاخ وادیوں میں بھی نظر آتی ہے، جہاں بھارتی جبر و استبداد کے بالمقابل جس مردِ درویش نے استقامت کا علم بلند کیا، وہ سید علی شاہ گیلانی ؒ تھے۔ وہ بھی ''علی'' تھے، نام میں بھی، مزاج میں بھی، اور جرأت ایمانی میں بھی۔ انہوں نے کشمیر کے مظلوم عوام کو وہی درس دیا جو کربلا نے امت کو دیا تھا : کہ قلتِ تعداد کبھی معیارِ حق نہیں ہوتی بلکہ حق کا معیار اس پر قائم رہنے کی جرأت ہے۔ سید علی شاہ گیلانی ؒ مرحوم نے جس استقلال کے ساتھ سامراجی قوتوں کو للکارا، وہ دراصل مکتبِ علی المرتضیٰ کا فیضان تھا۔ وہ جانتے تھے کہ جنگِ خیبر صرف ایک تاریخی معرکہ نہیں بلکہ ایک دائمی استعارہ ہے، ایک ایسا استعارہ جو یہ پیغام دیتا ہے کہ ''علی والے'' اگرچہ تعداد میں قلیل ہوں، مگر حوصلے، یقین اور غیرت میں ہمیشہ غالب رہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خیبر شکن کے ماننے والے کبھی شکست کو حتمی نہیں مانتے بلکہ اسے ایک نئے عروج کا پیش خیمہ سمجھتے ہیں۔ ایران، اسرائیل اور امریکہ کے حالیہ تناظر میں بھی یہی کیفیت جلوہ گر نظر آتی ہے۔ امریکہ کا جنگ بندی کا اعلان دراصل اس کی اس نفسیاتی شکست کا مظہر تھا جسے ایران نے مسترد کر کے واضح کر دیا کہ یہ کوئی روایتی جنگ نہیں بلکہ ایک نظریاتی تصادم ہے، ایسا تصادم جس میں یا تو فتح ہوتی ہے یا پھر شہادت، اور دونوں صورتیں کامیابی ہی کے مترادف ہیں۔ اصولی طور پر ایران اس جنگ کو اسی لمحے

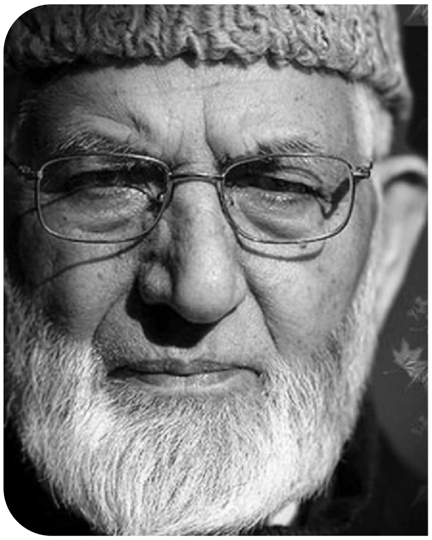

جیت گیا تھا جب اس نے خوف کے بیانیے کو رد کر کے مزاحمت کا پرچم بلند رکھا۔ سینئر صحافی و کالم نگار، اینکر پرسن حامد میر کے اس کالم کا سب سے گہرا پہلو یہی ہے کہ یہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ قیادت اگر خوف کے سائے میں پناہ ڈھونڈنے لگے تو قومیں بھی بکھر جاتی ہیں، لیکن جب قیادت خود کو میدانِ آزمائش میں پیش کر دے تو قومیں تاریخ رقم کرتی ہیں۔ یہی وہ فلسفہ ہے جو کربلا سے لے کر کشمیر تک اور تہران سے لے کر ہر مظلوم خطے تک ایک ہی صدا میں گونجتا ہے، کہ حق کے علمبردار کبھی مٹتے نہیں، وہ یا تو فتح لکھتے ہیں یا پھر اپنی شہادت سے تاریخ کو زندہ کر دیتے ہیں۔

بنیادِ مزاحمتِ ایران از ابتدا ہی مفہومِ ایثار و استشہاد پر مرتکز رہی ہے، جہاں رہبرِ معظم، آیت اللہ سید علی خامنہ ای، محض منصبِ قیادت کے حامل نہ رہے بلکہ اپنے خانوادۂ نسب کے لختِ ہائے جگر کو بھی راہِ فدا میں پیش کرنے کی تمثیل بنے۔ مخالف قوتوں کا گمان تھا کہ قرابتِ خاندانی کو نشانہ بنا کر عزمِ قیادت میں رخنہ اندازی ممکن ہوگی، مگر تواریخِ معاصر شاہد ہیں کہ ان واقعاتِ جاں گداز نے قیادت کو مزید ہمت و حوصلہ عطا کیا۔ ان قربانیوں کو ایرانی بیانیہ بطورِ دلیل صداقت پیش کرتا ہے کہ قیادت محض ایوانی آسائشوں کی اسیر نہیں بلکہ اس کا لہو بھی اسی تراب میں جذب ہے

جس کی صیانت اس کے فرائض میں شامل ہے۔

ایرانی بیانیے میں ان شخصیات کو استعارۂ استقامت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، جہاں ایک فرد کی عدم موجودگی کو اجتماعی عزم و حوصلہ سے پُر کیا جاتا ہے۔ اس تصور کے مطابق ہر گرتا ہوا پرچم سدا ہاتھوں میں منتقل ہو کر مزاحمت کی شمع کو فروزاں رکھتا ہے اور قومی بیانیہ مزید راسخ و مستحکم ہو جاتا ہے۔ ایران کے جوابی اقدامات کو اس کے حامی حلقے ایک تزویراتی و نفسیاتی برتری کے مظہر کے طور پر تعبیر کرتے ہیں، خصوصاً جب اسرائیلی مراکز بشمول تل ابیب، پر حملوں کے دعوے سامنے آتے ہیں۔ اس بیانیے میں یہ تاثر ابھرتا ہے کہ عسکری برتری رکھنے کے باوجود مخالف قوتیں دباؤ کا شکار ہوئیں، جب کہ ناقدین اسے متنازعہ اطلاعات اور جزوی واقعات کا مجموعہ قرار دے کر محتاط تجزیہ پر زور دیتے ہیں۔ اسی تناظر میں امریکہ کے سابق صدر ڈونلڈ ٹرمپ کے سخت گیر و عجلت آمیز بیانات کو بعض حلقے ایسی سفارتی بے تدبیری گردانتے ہیں جس نے ایران کو کمزور کرنے کے بجائے اس کے بیانیے کو مزید تقویت بخشی۔ ایرانی عوام کے اندر جو جذبۂ استقامت، حمیت اور مزاحمت موجزن دکھائی دیتا ہے، وہ اس امر کا مظہر ہے کہ خارجی دباؤ اور داخلی صدمات کے باوجود قومی بیانیہ متزلزل ہونے کے بجائے مزید راسخ ہوتا جا رہا ہے۔ اسی سیاق میں سابق شاہِ ایران کے خانوادے سے منسوب شخصیت، رضا پہلوی، کی جانب سے مبینہ رجیم چینج کی مساعی کو بھی ایرانی ریاستی بیانیے میں ناکام و غیر مؤثر قرار دیا جاتا ہے، جسے عوامی سطح پر خاطر خواہ پذیرائی حاصل نہ ہو سکی۔ یہ زاویۂ نگاہ اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ خارجی دباؤ، داخلی یکجہتی کو مضمحل کرنے کے بجائے بعض اوقات اسے مزید مستحکم کر دیتا ہے، یوں ایران کو ایک ایسے فریق کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جو مصائب و شدائد کے باوجود اپنی قوت و استقامت میں اضافہ کر رہا ہے۔ یہ تمام تر بیانیہ امتِ مسلمہ کی داخلی تفریق کو بھی آشکار کرتا ہے، جہاں بعض ریاستیں مغربی اتحاد سے قربت رکھتی ہیں، بعض غیر جانب داری کی راہ اختیار کرتی ہیں، اور بعض مزاحمتی بیانیے کی تائید میں جلوہ گر ہوتی ہیں۔ اس سے یہ سوال جنم لیتا ہے کہ آیا یہ نزاع محض جغرافیائی و سیاسی مفادات کا تصادم ہے یا اسے مذہبی قالب میں ڈھالنا مناسب ہے۔ اکثر اہلِ بصیرت اس امر پر متفق ہیں کہ اصل قضیہ توازنِ قوت، جیو پولیٹیکل مفادات اور عالمی حکمتِ عملیوں کا ہے، نہ کہ صرف مسلکی اختلافات کا۔ نیا عالمی تناظر اور معرکۂ تعبیر مجموعی طور پر یہ منظر نامہ ایک نہایت پیچیدہ تفاعل قوت، بیانیہ اور حقیقت کی آئینہ داری کرتا ہے، جہاں ہر دعویٰ اپنی ضد کے ساتھ موجود ہے۔ ایران کے حامی حلقے اسے ابھرتے ہوئے نئے عالمی نظام کی تمہید قرار دیتے ہیں، جب کہ معروضی تجزیہ اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ حتمی نتیجہ ہنوز پردۂ اخفا میں ہے۔ یوں یہ داستان ایک مسلسل ارتقائی مرحلے سے گزر رہی ہے، جس میں ہر نیا واقعہ ایک نئی تعبیر کو جنم دیتا ہے اور تاریخ کا دھارا ایک غیر متوقع سمت اختیار کرتا دکھائی دیتا ہے۔

عالمی طاقتیں اور عالمی تنازعات کا مستقبل

محمد احسان مہر

سچ جتنا جلد تسلیم کرلیا جائے یہ اتنا ہی بہتر ہوتا ہے، اور کوئی بھی قوم سچ کو نظرانداز کر کے اپنے بہتر مستقبل کی راہیں متعین نہیں کر سکتی، اور جب سچ جاننے کے باوجود، ہم اپنی روش برقرار رکھتے ہیں تو پھر یہی سے بگاڑ پیدا ہوتا ہے اور اُس وقت غلط فہمی، خوش فہمی کا لبادہ اُوڑھ کر قوموں کو غلط راہ پر لے نکلتی ہے، پھر غیر متوقع طور پر خطرناک نتائج کا سامنا کرنا پڑتا ہے، قومی سطح پر ہمیں بھی کچھ اس طرح کی صورتحال کا سامنا ہے، دہائیوں سے عالمی مفادات جاننے اور عالمی طاقتوں کے کھیل کو پہنچاننے کے باجود ہم ان کے کھیل کا حصہ بنے رہے، اور عالمی طاقتوں کے وقتی مفادات کو اپنے ملی، قومی، علاقائی اور حتیٰ کہ جغرافیائی مفادات پر ترجیح دی، جس کا خمیازہ آج پوری قوم بھگت رہی ہے، اور بدلے میں پاکستان کی بنیادی اساس اور بقاء کے ضامن پاک بھارت سندھ طاس معاہدہ اور کشمیر کا مسئلہ جمود کا شکار۔۔۔ امریکہ کا اسرائیل کے ساتھ مل کر (مذاکرات کے دوران) ایران پر حملہ بھی مشرق وسطیٰ میں کئی طرح کے کڑوے سچ بے نقاب کرے گا، اور دہائیوں سے عرب ریاستیں جس خوش فہمی میں مبتلا تھیں وہ ایک خوفناک حقیقت کا روپ دھار کر اب اُن کے سامنے ایک بڑے خطرے کی شکل میں موجود ہے،

مشرق وُسطیٰ کی صورتحال نے ایک بار پھر عالمی استعماری طاقتوں کے گھناؤنے کردار اور مفادات کے کھیل کو بے نقاب کیا ہے

لیکن یہ اس کھیل کا آخری راؤنڈ ہے جو عالمی طاقتوں کے درمیان خلیج فارس میں کھیلا جا رہا ہے، یہ جنگ پھیل چکی ہے، یہ اب ہفتوں نہیں مہینوں جاری رہ سکتی ہے، اور اسے سمیٹتے ہوئے بھی وقت لگے گا، جنگ کے دوران ایران کی سفارتکاری اور حربی صلاحیت کو دنیا حیرانگی سے دیکھ رہی ہے۔ ایران ایک ساتھ دشمن کو مار بھی رہا ہے اور دنیا کو سمجھا بھی رہا ہے، کہ ہم خطے میں کسی ملک کیخلاف نہیں ہم امریکی اڈوں اور انکی دفاعی تنصیبات کو نشانہ بنا رہے ہیں۔ دنیا یہ دیکھ رہی ہے کہ مشرق وسطیٰ میں ایک مافوق الفطرت شخص، اسلام اور مسلمانوں سے بُغض وعناد رکھنے والی ناجائز ریاست کے جرائم میں کس طرح اُس کے ساتھ کھڑا ہے، عالمی سطح پر جنگوں کو روکنے کے دعویدار نے پہلے غزہ تباہ و برباد کیا اور تقریباً ایک لاکھ فلسطینی مسلمانوں (جن میں زیادہ تر خواتین اور بچے شامل ہیں) کو شہید کیا، امریکہ نے اپنے (سابقہ) قبیح اور جارحانہ طرزِ عمل کو برقرار رکھتے ہوئے مخالف رجیم کو بدلنے میں ناکامی کی صورت میں ایرانی اقتدار اعلیٰ، سپریم لیڈر رہبر اعلیٰ آیت اللہ علی خامنہ ای، ان کے خاندان کے افراد اور رفقاء کو مذاکرات کے دوران نشانہ بنا کر عالمی قوانین کی سنگین ترین خلاف ورزی کی مثال قائم کی ہے۔ امریکی صدر نے ملکی مفادات (تیل کی خاطر) وینزویلا کے صدر (نکولس مادور) اور اُن کی اہلیہ کو اغواء کیا ہے اور مشرق وُسطیٰ کے نام نہاد امن کے لیے ایران پر حملہ کر کے خلیجی ریاستوں کے مفادات کو جنگ کی آگ میں دھکیل کر فاش غلطی کی ہے، جس کا خمیازہ امریکی اڈوں کی تباہی کی صورت میں بھگتنا ہوگا، صدر ٹرمپ کے اسرائیل کیساتھ مل کر مشرق وسطیٰ میں غیر قانونی اور غیر اخلاقی اقدامات عالمی طاقتوں کا جو تعارف پیش کر رہے ہیں وہ عالمی برادری کے لیے کسی طور پر بھی قابل قبول نہیں، یہی وجہ ہے کہ (نیٹو) یورپ اور اتحادی ممالک امریکی اقدام کے خلاف کھڑے نظر آ رہے ہیں۔

ایرانی سپریم لیڈر علی خامنہ ای شاعر مشرق علامہ اقبال سے بے

ایران ایک ساتھ دشمن کو مار بھی رہا ہے اور دنیا کو سمجھا بھی رہا ہے، کہ ہم خطے میں کسی ملک کیخلاف نہیں ہم امریکی اڈوں اور انکی دفاعی تنصیبات کو نشانہ بنا رہے ہیں۔ دنیا یہ دیکھ رہی ہے کہ مشرق وسطیٰ میں ایک مافوق الفطرت شخص، اسلام اور مسلمانوں سے بُغض وعناد رکھنے والی ناجائز ریاست کے جرائم میں کس طرح اُس کے ساتھ کھڑا ہے، عالمی سطح پر جنگوں کو روکنے کے دعویدار نے پہلے غزہ تباہ و برباد کیا اور تقریباً ایک لاکھ فلسطینی مسلمانوں (جن میں زیادہ تر خواتین اور بچے شامل ہیں) کو شہید کیا،

پناہ عقیدت رکھتے تھے، وہ اسلام کی تاریخ، جنگ کی حکمت عملی کے ماہر، اور دشمن پر نفسیاتی اور اعصابی دباؤ پر یقین رکھنے والی شخصیت تھے، علی خامنہ ای فلسطینی کاز کے پُر زور حمایتی تھے، فلسطین اور مقبوضہ علاقوں کی تحریکوں کی کامیابی بارے ہمیشہ پُر عزم رہے، ایک انٹرویو میں ان کا کہنا تھا کہ ایک دن ضرور ہم مسجد اقصیٰ میں نماز ادا کریں گے لیکن شائید اس وقت میں موجود نہیں ہوں گا۔ حالت جنگ میں جھپٹنا، پلٹنا اور پلٹ کر جھپٹنا کے بجائے قوم کے اتحاد اور ملکی وحدت کا سبق دینے کی خاطر اُنہوں نے دشمن کے سامنے ڈٹ کر کھڑا ہونا بہتر سمجھا، اور یقینی طور پر ان کی وطن سے محبت، بہادری اور لازوال شہادت نے ایرانی قوم کو ایک کم ظرف دشمن (سپر پاور) کے سامنے سیسہ پلائی دیوار کی طرح کھڑا کر دیا، وزیر خارجہ عباس عراقچی کا کہنا ہے کہ ایرانی ہمیشہ ڈٹ کر کھڑے رہیں گے، کبھی نہیں جھکیں گے، ایرانی قوم نے جنگ نہیں چُنی بلکہ انہیں جنگ میں گھسیٹا گیا ہے، جنگ ہم نے شروع نہیں کی لیکن اب اسے ختم کرنے کا اختیار ہمارے پاس ہے، اسرائیل اور امریکہ مل کر ایران میں رجیم چینج لا سکے نہ اسے گھٹنوں کے بل بٹھا سکے۔

ایران پر اسرائیل اور امریکی غیر قانونی حملے کی دنیا بھر میں مذمت کی جا رہی ہے اور ایرانی جوابی ردعمل کی وجہ سے امریکہ اور اسرائیلی دفاعی نظام کی تباہی کے ساتھ خلیجی ریاستوں کا جو نقصان ہوا ہے عالمی سطح پر اس کا ذمہ دار بھی امریکہ کو ٹھہرایا جا رہا ہے، شمالی کوریا کے رہنماء (کم جونگ ان) نے اسرائیل اور امریکہ کو عالمی امن کے لیے خطرہ قرار دیا ہے، چین اور روس نے بھی ایران پر حملے کی مذمت کی ہے اور سفارت کاری اور سنجیدہ مذاکرات کی ضرورت پر زور دیا ہے۔ روس نے ایرانی افزودہ یورینیم کی کسی دوسرے ملک منتقلی کیلئے ممکنہ امریکی آپریشن کے خدشے کا اظہار کیا ہے، پاکستان میں بھی ہمسایہ اور برادر اسلامی ملک پر جنگ مسلط کرنے پر تشویش کا اظہار کیا جا رہا ہے اور حکومتی سطح پر سفارت کاری کے ذریعے جنگ کی آگ کو پھیلاؤ سے روکنے کی سر توڑ کوشش کی جا رہی ہے، امریکی صدر ٹرمپ ایران میں رجیم چینج میں ناکامی اور عرب ریاستوں میں امریکی اڈوں پر تابڑ توڑ ایرانی حملوں کے بعد جنگ میں فتح و شکست کے متضاد بیانات کے ساتھ جنگ سے راہ فرار کی کوشش کر رہے ہیں، دوسری جانب ایران میں ملک دشمن عناصر کی گرفتاریوں کے علاوہ، عراق، شام، قطر اور یو، اے، ای جیسی ریاستوں میں بھی اسرائیلی اور امریکی خفیہ ایجنسی، موساد اور سی آئی اے کے ایجنٹ گرفتار ہوئے ہیں۔

اسرائیل اور امریکہ اپنی سازشوں اور خفیہ کاروائیوں کے ذریعے مسلمانوں کو باہم گتھم گتھا کرا کر خود جنگ سے نکلنے کی کوشش کر رہے ہیں، لیکن امریکہ کا جنگ ختم کرنے کا اعلان کرنا، یہ اب اتنا آسان نہیں ہے، ایران کے صدر مسعود پزشکیان نے ایکس پر لکھا کہ امریکہ اور اسرائیل کی شروع کردہ اس جنگ کو ختم کرنے کا واحد راستہ ایران کے حقوق تسلیم کرنا، جنگ میں ہونیوالے نقصان کے معاوضے کی ادائیگی، خلیجی ممالک سے امریکی اڈوں کا خاتمہ اور مستقبل میں جارحیت کے خلاف مضبوط بین الاقوامی ضمانتیں ہیں، جبکہ صدر ٹرمپ نے دھمکی دی ہے کہ ہم ایران میں پہلے سے زیادہ برا کر سکتے ہیں، ان حالات میں مستقبل میں ایران پر حملہ نہ ہونے کی ضمانت کون دے گا...؟

> ایرانی سپریم لیڈر علی خامنہ ای شاعر مشرق علامہ اقبال سے بے پناہ عقیدت رکھتے تھے، وہ اسلام کی تاریخ، جنگ کی حکمت عملی کے ماہر، اور دشمن پر نفسیاتی اور اعصابی دباؤ پر یقین رکھنے والی شخصیت تھے، علی خامنہ ای فلسطینی کاز کے پُر زور حمایتی تھے، فلسطین اور مقبوضہ علاقوں کی تحریکوں کی کامیابی بارے ہمیشہ پُر عزم رہے، ایک انٹرویو میں ان کا کہنا تھا کہ ایک دن ضرور ہم مسجد اقصیٰ میں نماز ادا کریں گے لیکن شائید اس وقت میں موجود نہیں ہوں گا۔ حالت جنگ میں جھپٹنا، پلٹنا اور پلٹ کر جھپٹنا کے بجائے قوم کے اتحاد اور ملکی وحدت کا سبق دینے کی خاطر اُنہوں نے دشمن کے سامنے ڈٹ کر کھڑا ہونا بہتر سمجھا، اور یقینی طور پر ان کی وطن سے محبت، بہادری اور لازوال شہادت نے ایرانی قوم کو ایک کم ظرف دشمن (سپر پاور) کے سامنے سیسہ پلائی دیوار کی طرح کھڑا کر دیا۔

ایران کا موقف بالکل واضح ہے کہ امریکہ جنگ بندی کے وقت کو ایک نئے حملے کی تیاری کے لیے استعمال کرتا ہے لیکن یہ طے ہے کہ جب یہ جنگ ختم ہو گی تو بہت کچھ بدل چکا ہوگا، امریکہ کو خطے سے بوریا بستر لپیٹ کر ایران اور خلیجی ممالک کے ساتھ کسی نئے معاہدے کو حتمی شکل دینا پڑے گی، خطے معروضی حالات کے تناظر میں مستقبل میں امریکی قیادت میں کوئی اتحاد بنتا بھی دکھائی نہیں دے رہا۔

سابق امریکی عہدیدار (جان کیری) نے ایران کے ساتھ جنگ کو دہائیوں کا سب سے بڑا بحران قرار دیا ہے، اور کہا ہے کہ ایران جنگ کے عالمی سطح پر تباہ کن اثرات ہوں گے اور امریکہ کا ایران کے ساتھ تنازع کسی بھی وقت بے قابو ہو سکتا ہے، صرف 15 دن کی جنگ کے بعد جارحانہ امریکی کاروائی دفاعی ردعمل میں تبدیل ہوتی نظر آ رہی ہیں، ایران کے حملوں سے اسرائیل کے بلیسٹک میزائل انٹرسیپٹرز تیزی سے کم ہو رہے ہیں، جس کی وجہ سے ایرانی میزائل اسرائیلی دفاعی نظام آئرن ڈوم کی تین تہوں کو چکمہ دے کر کامیابی سے اہداف کو نشانہ بنا رہے ہیں، سابق امریکی وزیر خارجہ انٹونی بلنکن نے کہا کہ ٹرمپ نے ایرانی ردعمل کا غلط اندازہ لگایا، ٹرمپ کو بتایا گیا تھا کہ ایران اس بار مختلف ردعمل دے سکتا ہے۔ ایرانی وزیر خارجہ عباس عراقچی نے کہا کہ آبنائے ہرمز بند کرنے کا امریکی واویلا محض جھوٹ پر مبنی ہے، آبنائے ہُرمز کھلی ہے، یہ صرف امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے آئل ٹینکرز اور جہازوں کے لئے بند ہے، کچھ جہاز خطرے کی وجہ سے گزرنے سے گریز کر رہے ہیں ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں، ہم اس وقت حالت جنگ میں ہیں۔ صدر ٹرمپ کی آبنائے ہُرمز کھولنے میں فوجی مدد کے جواب میں فرانس، اٹلی، برطانیہ، جرمنی، جاپان، آسٹریا اور یونان نے صاف انکار کر دیا ہے، جرمنی کے وزیر دفاع نے کہا کہ اسرائیل اور امریکہ کو اپنے فوجی اہداف واضح کرنا ہوں گے، برطانیہ کے وزیر اعظم کیئر اسٹارمر نے کہا کہ آبنائے ہُرمز کو کھولنا کوئی آسان کام نہیں، ہم ایران کے ساتھ جنگ کا حصہ نہیں بنیں گے، ہماری کوشش ہے کہ معاملات زیادہ نہ بگڑیں، کشیدگی کے خاتمے اور بحران کے حل کے لیے سفارتی کوششیں جاری رکھنے کے عزم کا اظہار کرتے ہیں، لیکن انہوں نے کہا کہ جنگ کے خاتمے پر ایران کے ساتھ دیرپا امن کیلئے معاہدہ ناگزیر ہے، جبکہ ایران واضح کر چکا ہے کہ وہ مذاکرات سے نہیں ہچکچاتا لیکن مذاکرات کی آڑ میں ملکی خود مختاری پر حملے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، ایران کا کہنا ہے کہ امریکی جرائم تاریخ پر ایک دھبہ ہیں۔ صدر ٹرمپ جب غزہ کے ملبے پر بورڈ آف پیس کا اعلان کر کے مشرق وُسطیٰ میں 3 ہزار سالہ تنازع ختم کرنے کی بات کر تے ہوئے عالمی برادری کو اپنی گراؤنڈ پر کھیلنے کی دعوت دے رہے تھے، علاقائی طاقتیں مشرق وُسطیٰ میں امریکی گراؤنڈ پر اپنی بال کیساتھ کھیلنے کیلئے بساط بچھا رہیں تھیں، ان کا نقطہ بڑا سادہ اور واضح ہے، کہ اسرائیل کیساتھ آزاد فلسطینی ریاست کا مسئلہ علاقائی مسئلہ ہے، اور ایران کی میزائل صلاحیت اور جوہری توانائی کے حصول کی کوشش اندرونی خود مختاری اور ملکی دفاع کی ضامن، پھر امریکہ کو یہاں ٹانگیں پھنسانے کی کیا ضرورت ہے، لیکن امریکہ کسی گلی کے غنڈے کی طرح ایران کو دھمکا نے اور جنگ میں اُلجھانے کے بعد جس بُری طرح سے پٹ رہا ہے، وہ اس کی مدد کی اپیلوں سے صاف نظر آ رہا ہے، لیکن سب اُس کا ساتھ چھوڑ رہے ہیں، یہ جنگ اب امریکہ کی انا اور اسرائیل کی بقا کا مسئلہ بننے جا رہی ہے۔

رہبر اعلیٰ علی خامنہ ای کی شہادت کے بعد سپریم نیشنل سکیورٹی علی لاریجانی اور دیگر کمانڈروں کی شہادت کے موقع پر وزیر خارجہ عباس عراقچی نے کہا کہ اسرائیل اور امریکہ نے ایرانی، سیاسی، فوجی ڈھانچہ اور مزاحمت کی صلاحیت سمجھنے میں غلطی کی ہے، کسی فرد یا شخصیت کی کمی، سیاسی افراتفری کا باعث بنے گی نہ دشمن کیخلاف جنگ کی حکمت عملی پر فرق پڑے گا امریکہ یہ جنگ جہاں تک لے کر جائے گا ہم اُسے نہیں چھوڑیں گے، شُہداء کی تعداد سے فرق نہیں پڑے گا، ایرانی قوم پہلے دن کی طرح سبق سکھانے تک دشمن کا پیچھا کرے گی

صدر ٹرمپ کے عالمی امن کے لئے تنازعات کا خاتمہ، جنگوں کو روکنے کے جھوٹے دعوے اور اسرائیل کے ساتھ مل کر ایران پر حملہ یہ کڑوا سچ؛ سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ عالمی طاقتوں کے عالمی تنازعات ختم کرنے کے خوشنماء دعوؤں کے پیچھے بھی مفادات کا کھیل اور مکروہ عزائم پوشیدہ ہوتے ہیں، حقیقت حال یہ ہے کہ اقوام متحدہ غزہ کے ملبے کے نیچے دفن ہو چکی ہے، عالمی برادری مفادات کے پیچھے بھاگ رہی ہے، بورڈ آف پیس کی سانسیں ٹوٹ رہیں ہیں، اور عالمی تنازعات کا مستقبل جس کی لاٹھی اُس کی بھینس والا معاملہ نظر آ رہا ہے۔

سابق امریکی عہدیدار (جان کیری) نے ایران کے ساتھ جنگ کو دہائیوں کا سب سے بڑا بحران قرار دیا ہے، اور کہا ہے کہ ایران جنگ کے عالمی سطح پر تباہ کن اثرات ہوں گے اور امریکہ کا ایران کے ساتھ تنازع کسی بھی وقت بے قابو ہو سکتا ہے، صرف 15 دن کی جنگ کے بعد جارحانہ امریکی کاروائی دفاعی ردعمل میں تبدیل ہوتی نظر آ رہی ہیں، ایران کے حملوں سے اسرائیل کے بلیسٹک میزائل انٹرسیپٹرز تیزی سے کم ہو رہے ہیں، جس کی وجہ سے ایرانی میزائل اسرائیلی دفاعی نظام آئرن ڈوم کی تین تہوں کو چکمہ دے کر کامیابی سے اہداف کو نشانہ بنا رہے ہیں۔

علی کا علی سے مکالمہ

حامد میر

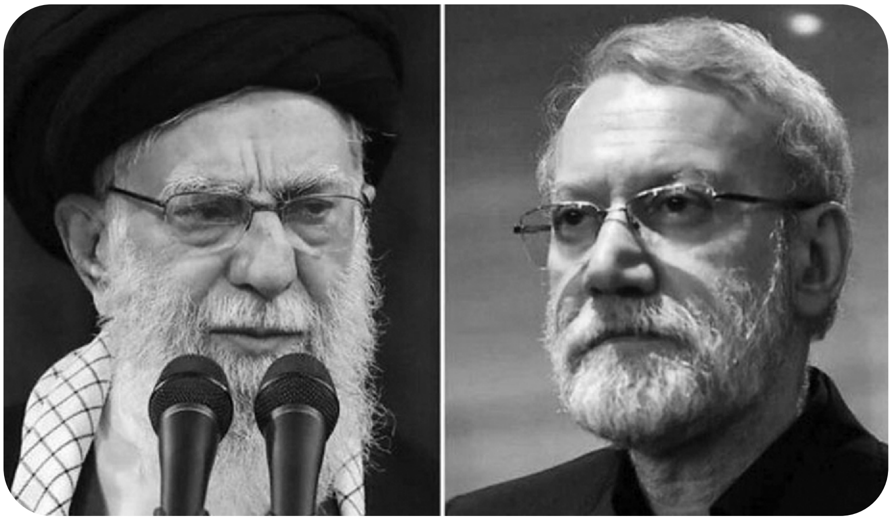

اسرائیل نے بڑے فخر سے علی لاریجانی کے قتل کا اعلان کیا۔ یہ اعلان سن کر ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ لاریجانی ایران کی نیشنل سیکورٹی کونسل کے سیکرٹری تھے۔ انہوں نے اپنی حفاظت کا مناسب انتظام کیوں نہ کیا؟ ابھی اس سوال کا جواب نہیں ملا تھا کہ ایک سفارتکار نے ایران کے ایک اخبار میں لاریجانی اور ایران کے شہید سپریم لیڈر آیت اللہ علی خامنہ ای کے درمیان آخری مکالمے کی شائع ہونے والی تفصیل بھیجی۔ جس دن لاریجانی کی شہادت ہوئی اُس سے ایک دن قبل لاریجانی نے خود اس مکالمے کی تفصیل جاری کی جو اُنکے پاس ایک امانت تھی۔شہادت سے قبل لاریجانی نے یہ امانت ایرانی عوام کے سپرد کر دی اور اُنہیں اپنے ساتھ ساتھ علی خامنہ ای کی شہادت کی وجہ بھی بتا دی۔ ایران کے دو لیڈروں کے درمیان یہ مکالمہ ہمیں یہ بھی سمجھاتا ہے کہ قتل حسین اصل میں مرگ یزید کیوں ہے اور اسلام ہر کربلا کے بعد زندہ کیوں ہو جاتا ہے؟ مجھ تک یہ مکالمہ انگریزی میں پہنچا ہے جسے فارسی سے ترجمہ کیا گیا لیکن اسکے راوی علی لاریجانی ہیں اور انداز بیان بھی انہی کا ہے۔ یہ دراصل لاریجانی اور علی خامنہ ای کے درمیان آخری ملاقات کی کہانی ہے۔ دونوں کا نام علی تھا لیکن لاریجانی سپریم لیڈر کو ہمیشہ میرے قائد کہتے تھے۔ ایران پر امریکا اور اسرائیل کے حملے سے چند گھنٹے قبل علی لاریجانی ہاتھ میں ایک فائل اُٹھائے سپریم لیڈر سے ملاقات کیلئے اُنکے آفس میں تشریف لائے۔ لاریجانی بارہ سال تک ایرانی پارلیمنٹ کے اسپیکر رہے۔ 2005ء سے 2007ء تک وہ نیشنل سیکورٹی کونسل کے سیکرٹری تھے اور اگست 2025ء میں ایران صدر مسعود پزشکیان نے انہیں دوسری مرتبہ اس عہدے پر فائز کیا تھا۔ پزشکیان نے یہ فیصلہ سپریم لیڈر کے ساتھ مشورے کے بعد کیا تھا۔ لاریجانی اپنے سپریم لیڈر کو ان کے قتل کے منصوبے سے آگاہ کرنے آئے تھے۔ لاریجانی کو اس منصوبے کی تفصیلات مختلف ذرائع سے ملی تھیں لہٰذا وہ اس منصوبے کے بارے میں فائل بھی ساتھ لیکر آئے تا کہ سپریم لیڈر کے ممکنہ سوالات کا جواب دے سکیں۔ دعا سلام کے بعد لاریجانی اپنے قائد کے سامنے بیٹھ گئے اور گفتگو کے آغاز سے قبل چند لمحوں تک سپریم لیڈر کو احترام اور محبت سے دیکھتے رہے۔ پھر گویا ہوئے ”میرے قائد! اس مرتبہ یہ دباؤ ڈالنے کا حربہ یا عام سا پیغام نہیں بلکہ ایک فیصلے کی خبر ہے۔ دشمن نے آپکو ہر قیمت پر شہید کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے خواہ اسے پورا آسمان میزائلوں کی آگ سے جلانا پڑے۔“ سپریم لیڈر بڑی

> ایک علی نے دوسرے علی کو یاد دلایا کہ ہم حسین ابن علی کی اولاد ہیں اور یہ وہ امام تھے جنہیں اپنے انجام کا پتہ تھا لیکن وہ اللہ کے بھروسے پر اس انجام کی طرف بڑھتے ہوئے کربلا تک پہنچ گئے۔ سپریم کمانڈر نے لاریجانی کو یاد دلایا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی فوج بہت چھوٹی تھی انہیں پتہ تھا وہ دشمن کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے لیکن انہوں نے غائب ہونے کی بجائے میدان میں آ کر دشمن کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔علی خامنہ ای کی بات سن کر علی لاریجانی نے ایک دفعہ پھر التجا کرتے ہوئے کہا کہ میرے قائد! تاریخ صرف ایک واقعے کا نام نہیں ہے ہماری تاریخ میں ایک اور امام (اہل تشیع کے بارہویں امام محمد المہدی) بھی ہیں اور اُن کا منظر سے غائب ہونا بتاتا ہے کہ کبھی کبھار نظروں سے اوجھل ہونا حکمت کا تقاضا ہے بزدلی نہیں۔ یہ سن کر سپریم لیڈر نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور کہا۔”مسٹر لاریجانی! فرق یہ ہے جب امام (محمد المہدی) غائب ہوئے تو اُن کے پیچھے سچ کا دفاع کرنے کیلئے کوئی فوج یا قوم نہیں تھی“۔ میں کیسے غائب ہو جاؤں جبکہ میری قوم لڑنے کیلئے تیار ہے؟ میں کیسے غائب ہو جاؤں جب میری فوج دشمن کی آگ کے سامنے بہادری سے کھڑی ہے

سنجیدگی سے لاریجانی کی بات سُن رہے تھے ۔ لاریجانی نے انہیں مزید بتایا کہ ہم نے آپ کیلئے ایک محفوظ مقام کا بندوبست کیا ہے جہاں آپ دشمن کی آنکھ سے اوجھل رہیں گے، جہاں نہ تو دشمن کے بم آسانی سے پہنچ سکیں گے اور نہ ہی دشمن کے جنگی طیارے اُس جگہ کو ٹارگٹ کرسکیں گے ۔ سپریم لیڈر بالکل خاموش تھے ۔ اب لاریجانی نے منت سماجت کے انداز میں سپریم لیڈر کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے قائد! یہ کوئی چھپنے کی جگہ نہیں بلکہ ایک عارضی قیام گاہ ہے تاکہ طوفان کے گزرنے تک آپ نظروں سے اوجھل رہیں ۔ یہ الفاظ ادا کرکے لاریجانی خاموش ہوگئے ۔ سپریم لیڈر کچھ دیر تک مشفق مسکراہٹ کے ساتھ لاریجانی کو دیکھتے رہے ۔ پھر خامنہ ای کھڑے ہو گئے ۔ لاریجانی کو ایسا محسوس ہوا کہ سپریم لیڈر کے ساتھ تاریخ بھی اُٹھ کھڑی ہوئی ہے ۔ سپریم لیڈر نے شفقت بھرے پرسکون لہجے میں لاریجانی سے پوچھا کہ جب آپ میرے پاس آرہے تھے تو آپکو مجھ سے کس قسم کے جواب کی توقع تھی؟ لاریجانی نے تمام تر احترام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے جھجک جھجک کر کہا کہ مجھے خدشہ تھا کہ آپ انکار کردیں گے لیکن میرے قائد! قوم کو آپکی ضرورت ہے ہم یہ جنگ اپنے کمانڈر کے بغیر نہیں لڑ سکتے ۔ یہ سُن کر سپریم کمانڈر کے چہرے پر ایک ایسی مسکراہٹ پھیل گئی جسکے پیچھے افسردگی کے ساتھ ساتھ حکمت کی جھلک بھی نمایاں تھی ۔ سپریم لیڈر نے لاریجانی سے کہا کہ ریاستی امور اور سکیورٹی کے تقاضوں کی روشنی میں آپ نے جو کہا وہ بالکل درست ہے لیکن آیئے ایک لمحے کیلئے اس معاملے پر ذرا مختلف پہلو سے نظر ڈالتے ہیں ۔ اب لاریجانی بھی اپنے قائد کی بات غور سے سننے لگے ۔ سپریم لیڈر نے سوالیہ انداز میں پوچھا کہ اگر میں خود غائب ہو جاؤں تو اپنے سپاہیوں کو یہ کیسے کہوں گا کہ موت کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہو جاؤ؟ میں اپنے لوگوں سے یہ کیسے کہوں گا کہ گھبرانا نہیں؟ اگر میں خود ہی میدان سے غائب ہوگیا تو دوسروں کو حوصلہ قائم رکھنے کا درس کیسے دوں گا؟ پھر سپریم لیڈر نے گفتگو میں ایک وقفہ لیا تو لاریجانی کو ایسا لگا کہ اُن کے قائد کے سینے میں کربلا کا ایک دروازہ کھل گیا ہے ۔ ایک علی نے دوسرے علی کو یاد دلایا کہ ہم حسین ابن علی کی اولاد ہیں اور یہ وہ امام تھے جنہیں اپنے انجام کا پتہ تھا لیکن وہ اللہ کے بھروسے پر اس انجام کی طرف بڑھتے ہوئے کربلا تک پہنچ گئے ۔ سپریم کمانڈر نے لاریجانی کو یاد دلایا کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی فوج بہت چھوٹی تھی انہیں پتہ تھا وہ دشمن کا مقابلہ نہیں کرسکیں گے لیکن انہوں نے غائب ہونے کی بجائے میدان میں آکر دشمن کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ علی خامنہ ای کی بات سن کر علی لاریجانی نے ایک دفعہ پھر التجا کرتے ہوئے کہا کہ میرے قائد! تاریخ صرف ایک واقعے کا نام نہیں ہے ہماری تاریخ میں ایک اور امام (اہل تشیع کے بارہویں امام محمد المہدی) بھی ہیں اور اُن کا منظر سے غائب ہونا بتاتا ہے کہ کبھی کبھار نظروں سے اوجھل ہونا حکمت کا تقاضا ہے بزدلی نہیں ۔ یہ سن کر سپریم لیڈر نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور کہا ”مسٹر لاریجانی! فرق یہ ہے جب امام (محمد المہدی) غائب ہوئے تو اُن کے پیچھے سچ کا دفاع کرنے کیلئے کوئی فوج یا قوم نہیں تھی“۔ میں کیسے غائب ہو جاؤں جبکہ میری قوم لڑنے کیلئے تیار ہے؟ میں کیسے غائب ہو جاؤں جب میری فوج دشمن کی آگ کے سامنے بہادری سے کھڑی ہے؟ لیڈر کے پیچھے فوج نہ ہو تو اُس کے غائب ہونے میں حکمت ہے لیکن جب پوری قوم اسکے پیچھے کھڑی ہو اور پھر بھی لیڈر جان بچانے کیلئے غائب ہو جائے تو وہ تاریخ کے ضمیر پر ایک بھاری سوال بن جاتا ہے ۔ اب لاریجانی خاموش ہوچکے تھے ۔ اُن کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ سپریم لیڈر نے اُنہیں رخصت کرتے ہوئے ہاتھ ملا کر اُنکی پیشکش کا شکریہ ادا کیا۔ لاریجانی کے رخصت ہونے کے بعد سپریم لیڈر نے اپنے خاندان کو اکٹھا کیا اور انہیں لاریجانی کے خدشات اور پیشکش سے آگاہ کیا۔ خاندان کے افراد نے انہیں کہا کہ آپ جہاں رہیں گے ہم بھی آپ کے ساتھ وہیں رہیں گے ۔ تھوڑی دیر بعد سپریم لیڈر اپنے خاندان کے کئی افراد کے ساتھ اسرائیلی میزائلوں کا نشانہ بن گئے ۔ اُنکی شہادت کے بعد بھی ایران میں رجیم چینج کا خواب پورا نہ ہوسکا کیونکہ قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے ۔ علی خامنہ ای کی شہادت سے علی لاریجانی کو یہ سمجھ آگئی کہ جو لیڈر موت سے گھبرا کر غائب ہو جاتے ہیں وہ اپنی قوم کی یاداشت سے بھی غائب ہو جاتے ہیں ۔ لاریجانی بھی نتین یاہو کی طرح زمین دوز پناہ گاہوں میں چھپ سکتے تھے لیکن وہ اپنی قوم اور فوج کی نظروں کے سامنے موجود رہے اور چند دن بعد اپنے قائد کی طرح شہید ہو گئے ۔ رمضان میں شہید ہونے والے یہ دونوں علی ہمیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یاد دلاتے ہیں جو 21 رمضان کو شہید ہوئے ۔ کچھ دانشوروں کے خیال میں طاقت کے سامنے ڈٹ جانا بے وقوفی ہے لیکن انہیں کون سمجھائے کہ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد۔ جس لیڈر کے قول و فعل میں تضاد نہ ہو اُسکی موت قوم کو ایک نئی زندگی عطا کرتی ہے اور پھر یہ زندگی وقت کے نمرود، فرعون اور یزید کے زوال کا باعث بنتی ہے۔

علی خامنہ ای کی شہادت سے علی لاریجانی کو یہ سمجھ آگئی کہ جو لیڈر موت سے گھبرا کر غائب ہو جاتے ہیں وہ اپنی قوم کی یاداشت سے بھی غائب ہو جاتے ہیں ۔ لاریجانی بھی نتین یاہو کی طرح زمین دوز پناہ گاہوں میں چھپ سکتے تھے لیکن وہ اپنی قوم اور فوج کی نظروں کے سامنے موجود رہے اور چند دن بعد اپنے قائد کی طرح شہید ہو گئے ۔ رمضان میں شہید ہونے والے یہ دونوں علی ہمیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یاد دلاتے ہیں جو 21 رمضان کو شہید ہوئے ۔ کچھ دانشوروں کے خیال میں طاقت کے سامنے ڈٹ جانا بے وقوفی ہے لیکن انہیں کون سمجھائے کہ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

بھارت: جنگ پر خاموشی کب تک اور پاکستان سے سبق

افتخار گیلانی

ایران نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ 'باہمی انحصار' (Interdependence) کو ہتھیار کے طور پر استعمال کر سکتا ہے اور عالمی معیشت پر بھاری قیمت عائد کر سکتا ہے۔ ''ایران نے آٹھ سالہ ایران عراق جنگ میں وہ کچھ جھیلا ہے جس کا تصور بھی جدید دنیا نہیں کر سکتی۔ تب پوری دنیا صدام حسین کے ساتھ تھی، لیکن ایران نہیں گرا۔ آج کے پالیسی سازوں کو تاریخ کے ان اوراق کو دوبارہ الٹنا چاہیے۔ گزشتہ ہفتہ وزیر اعظم مودی اور ایرانی صدر مسعود پزشکیان کے درمیان ہونے والی ٹیلی فونک گفتگو کو اس تناظر میں دیکھنا ضروری ہے۔ مودی نے مغربی ایشیا میں اہم انفرا اسٹرکچر پر حملوں کی مذمت کی اور آبنائے ہرمز کی ناکہ بندی کے پیش نظر بحری گزرگاہوں کو ''کھلا اور محفوظ'' رکھنے پر زور دیا۔ ایران کی طرف سے اس گفتگو کا جو خلاصہ پیش کیا گیا، اس کے مطابق یہ خاصی کشیدہ ماحول میں ہوئی ہے۔ ایرانی صدر نے بھارت وزیر اعظم کو آئینہ دکھانے کی کوشش کی ہے۔ ایرانی صدر نے ایک ایسے علاقائی سیکورٹی فریم ورک کی تجویز پیش کی جس میں صرف مغربی ایشیا کے ممالک شامل ہوں اور جو ''بیرونی مداخلت'' کے بغیر خطے میں امن قائم کرے۔ پزشکیان نے مودی سے مخاطب ہو کر کہا : بھارت کو برکس کے موجودہ چیئرمین کی حیثیت سے اپنا 'آزادانہ کردار' ادا کرنا چاہیے تاکہ امریکا اور اسرائیل کی اس ننگی جارحیت کو روکا جاسکے۔ ہم جنگ نہیں چاہتے، لیکن ہم اپنی خودمختاری پر سمجھوتا بھی نہیں کریں گے''۔ پزشکیان نے واشنگٹن کے ان دعوؤں کو بھی مسترد کر دیا کہ ایران ایٹمی ہتھیار بنا رہا ہے اور یاد دلایا کہ ایران کے سپریم لیڈر نے ایٹمی ہتھیاروں کے خلاف واضح مذہبی اور انتظامی احکامات جاری کر رکھے تھے۔ ایرانی صدر نے سپریم لیڈر علی خامنہ ای کی موت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یہ حملہ ایرانی فضائی حدود کے باہر سے کیا گیا تھا۔ بھارت، جس کے ایران کے ساتھ صدیوں پرانے تہذیبی، ثقافتی اور تزویراتی تعلقات ہیں، اس واقعے پر مکمل طور پر خاموش رہا۔ اس تاثر کو اس وقت مزید تقویت ملی جب مودی جی نے تنازع شروع ہونے سے محض 48 گھنٹے پہلے اسرائیل کا ہائی پروفائل دورہ کیا اور اسرائیلی پارلیمنٹ 'کنیسٹ' سے خطاب کیا۔ وہاں انہیں جس گرمجوشی سے خوش آمدید کہا گیا، اس نے تہران اور دیگر عرب ممالک میں ایک منفی پیغام بھیجا۔ اگرچہ بعد میں جب توانائی کی قیمتیں بڑھیں اور سپلائی چین متاثر ہوئی، تو نئی دہلی نے تہران سے رابطہ کر کے اپنے مفادات کے تحفظ کی کوشش کی۔ کانگریس کے سینئر رہنما منی شنکر ائیر، جو اپنے کاٹ دار لہجے کے لیے مشہور ہیں، نے اس صورتحال پر سخت تبصرہ کرتے ہوئے کہا: ''نہرو اور اندرا گاندھی کا بھارت وہ تھا جو فلسطین کے حقوق کے لیے سب سے پہلے آواز اٹھاتا تھا، جو نسل پرست جنوبی افریقا کے خلاف عالمی مہم چلاتا تھا۔ آج کا بھارت محض واشنگٹن کا ایک 'جونیئر پارٹنر' بن کر رہ گیا ہے۔ ہم روس سے سستا تیل خریدنے کی اجازت ملنے پر تو خوش ہوتے ہیں، لیکن اسی روس کے اتحادی ایران پر ہونے والے مظالم پر زبان نہیں کھولتے۔ یہ ہماری تزویراتی خودمختاری کا جنازہ ہے''۔ منیش تیواری نے بھی

مودی جی نے تنازع شروع ہونے سے محض 48 گھنٹے پہلے اسرائیل کا ہائی پروفائل دورہ کیا اور اسرائیلی پارلیمنٹ 'کنیسٹ' سے خطاب کیا۔ وہاں انہیں جس گرمجوشی سے خوش آمدید کہا گیا، اس نے تہران اور دیگر عرب ممالک میں ایک منفی پیغام بھیجا۔ اگرچہ بعد میں جب توانائی کی قیمتیں بڑھیں اور سپلائی چین متاثر ہوئی، تو نئی دہلی نے تہران سے رابطہ کر کے اپنے مفادات کے تحفظ کی کوشش کی۔ کانگریس کے سینئر رہنما منی شنکر ائیر، جو اپنے کاٹ دار لہجے کے لیے مشہور ہیں، نے اس صورتحال پر سخت تبصرہ کرتے ہوئے کہا : ''نہرو اور اندرا گاندھی کا بھارت وہ تھا جو فلسطین کے حقوق کے لیے سب سے پہلے آواز اٹھاتا تھا، جو نسل پرست جنوبی افریقا کے خلاف عالمی مہم چلاتا تھا۔ آج کا بھارت محض واشنگٹن کا ایک 'جونیئر پارٹنر' بن کر رہ گیا ہے۔

شیو شنکر مینن نے اپنے تجزیے میں کہا کہ ’سفارت کاری صرف رسی پر چلنے کا نام نہیں ہے، بلکہ کبھی کبھی رسی سے اُتر کر زمین پر کھڑے ہونے اور سچ کہنے کا نام بھی ہے۔ اگر بھارت آج سچ نہیں کہتا، تو کل تاریخ اسے ایک ’’خاموش تماشائی‘‘ کے طور پر یاد رکھے گی‘‘۔ مغربی ایشیا کا یہ آتش فشاں ابھی بجھا نہیں ہے۔ اسرائیل نے ایرانی وزیر انٹیلی جنس اسماعیل خطیب اور اب سیکورٹی چیف علی لاریجانی کو نشانہ بنا کر یہ واضح کر دیا ہے کہ وہ رکنے والا نہیں ہے۔ بھارت کی مسلسل خاموشی اب ’رضامندی‘ کے طور پر پڑھی جارہی ہے۔ وقت آگیا ہے کہ نئی دہلی اپنی ’تزویراتی خودمختاری‘ کے دعوؤں کو عمل سے ثابت کرے، ورنہ ’گلوبل ساؤتھ‘ کی قیادت کا خواب صرف ایک سراب بن کر رہ جائے گا۔

پارلیمنٹ میں سوال اٹھایا کہ کیا بھارت کی خارجہ پالیسی اب ’کارپوریٹ مفادات‘ اور ’امریکی خوشنودی‘ کے گرد گھوم رہی ہے؟ انہوں نے خبردار کیا کہ ’’تاریخ ان قوموں کو کبھی معاف نہیں کرتی جو حق اور باطل کی جنگ میں غیر جانبدار رہنے کا ڈھونگ رچاتی ہیں‘‘۔

بھارت کے لیے مغربی ایشیا محض نقشے پر ایک خطہ نہیں ہے۔ بلکہ 50 فی صد سے زائد خام تیل کی درآمدات اور 90 فی صد ایل پی جی اسی خطے سے آتی ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر، وہاں تقریباً ایک کروڑ بھارتی محنت کش مقیم ہیں جو ہر سال اربوں ڈالر کا زرِمبادلہ بھیجتے ہیں۔ یہ وہ رقم ہے جو ہندوستان کے دیہی علاقوں میں معیشت کا پہیہ رواں رکھتی ہے۔ اگر یہ خطہ غیر مستحکم ہوتا ہے، تو اس کا اثر ہر چولہے پر پڑے گا۔ جب امریکا نے اپنے بحری بیڑے خلیج فارس کی طرف روانہ کیے تھے، تب ہی یہ واضح تھا کہ ایک بڑا ٹکراؤ ہونے والا ہے۔ لیکن بھارت کے پاس اس ہنگامی صورتحال کے لیے کوئی پیشگی منصوبہ نظر نہیں آیا۔

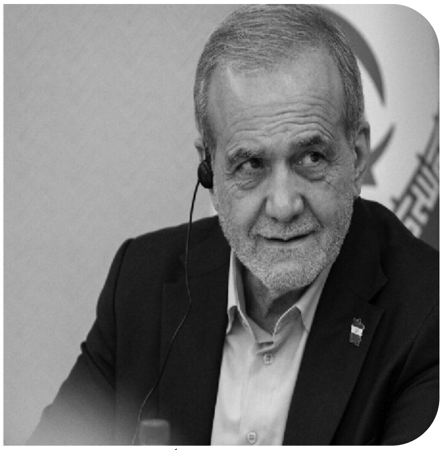

سریناتھ راگھون کے مطابق: ایک ایسے ملک کے لیے جس کے اتنے بڑے مفادات خلیج میں ہوں، تزویراتی پیش بینی کا نہ ہونا ایک مجرمانہ غفلت ہے۔ اگرچہ تہران نے سرکاری طور پر بھارت کے رویے پر کوئی سخت احتجاج ریکارڈ نہیں کرایا، لیکن ایرانی میڈیا کی تلخی بہت کچھ کہہ رہی ہے۔ فارسی اخبارات اس بات پر حیران ہیں کہ ہندوستان جیسے ’’قدیم دوست‘‘ نے میناب کے اسکول پر امریکی میزائل حملے میں شہید ہونے والی 168 بچیوں کے لیے ایک تعزیتی جملہ تک ادا نہیں کیا۔ ایران نے چین، ترکیہ اور پاکستان جیسے ممالک کو تو اپنے پانیوں سے گزرنے کی ضمانت دے دی ہے، لیکن بھارت کو تاحال ’انتظار کرو اور دیکھو‘ کی فہرست میں رکھا گیا ہے۔

ایران کا یہ رویہ بتاتا ہے کہ وہ ہندوستان کے ’دوغلے پن‘ سے مایوس ہے۔ آنے والے مہینوں میں بھارت کو ’برکس‘ سربراہ اجلاس کی میزبانی کرنی ہے، جس میں اب ایران بھی ایک مکمل رکن ہے۔ یہ بھارت کے لیے ایک بہترین موقع ہے کہ وہ اپنی کھوئی ہوئی ساکھ بحال کرے۔ لیکن اس کے لیے بھارت کو ’کواڈ‘ (Quad) یعنی چین کو روکنے کے نام پر بنائے گئے اتحاد جس میں امریکا، جاپان، آسٹریلیا شامل ہیں کی زنجیروں سے تھوڑا باہر نکلنا ہوگا۔ جیسا کہ شیو شنکر مینن نے اپنے تجزیے میں کہا کہ ’سفارت کاری صرف رسی پر چلنے کا نام نہیں ہے، بلکہ کبھی کبھی رسی سے اُتر کر زمین پر کھڑے ہونے اور سچ کہنے کا نام بھی ہے۔ اگر بھارت آج سچ نہیں کہتا، تو کل تاریخ اسے ایک ’’خاموش تماشائی‘‘ کے طور پر یاد رکھے گی‘‘۔ مغربی ایشیا کا یہ آتش فشاں ابھی بجھا نہیں ہے۔ اسرائیل نے ایرانی وزیر انٹیلی جنس اسماعیل خطیب اور اب سیکورٹی چیف علی لاریجانی کو نشانہ بنا کر یہ واضح کر دیا ہے کہ وہ رکنے والا نہیں ہے۔ بھارت کی مسلسل خاموشی اب ’رضامندی‘ کے طور پر پڑھی جارہی ہے۔ وقت آگیا ہے کہ نئی دہلی اپنی ’تزویراتی خودمختاری‘ کے دعوؤں کو عمل سے ثابت کرے، ورنہ ’گلوبل ساؤتھ‘ کی قیادت کا خواب صرف ایک سراب بن کر رہ جائے گا۔ اور یاد رہے، تاریخ کے کٹہرے میں خاموشی بھی ایک جرم سمجھی جاتی ہے۔ ہوسکے تو 2003 میں بطور اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کا ممبر ہونے اور امریکا کا حلیف ہوتے ہوئے بھی لاتعداد داخلی مشکلات کے باوجود پاکستان نے جس طرح ایک توازن برقرار رکھنے میں کامیابی حاصل کی، اسی سے بھارت کو کچھ سبق حاصل کر لینا چاہیے۔ بھارت میں کچھ لوگ کہیں گے کہ پاکستان ایک دشمن ملک ہے اس سے سبق حاصل کرنے کا درس دینے والے تو غداروں اور ملک دشمنوں کی فہرست میں آئیں گے، مگر کبھی کبھی اور کسی وقت دشمن کے طریقہ کار سے بھی سیکھنے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ (بشکریہ 92 نیوز)

بہت ہی عظیم شخص تھا!!!

قمبر نقوی

وہ شخص جو خامنہ ای کی شہادت کے بعد ایران کا سب سے طاقتور انسان بن چکا تھا، اسے امریکہ اور اسرائیل نے اس کی بیٹی کے گھر میں گھس کر شہید کر دیا، اور دنیا نے آنکھیں بند کر لیں۔ علی لاریجانی کوئی معمولی سیاست دان نہیں تھے۔ یہ وہ شخص تھا جس نے ایران کے جوہری پروگرام کو مغربی طاقتوں کے سامنے بیٹھ کر ڈیفینڈ کیا، جس نے پارلیمنٹ کی سربراہی کرتے ہوئے ایران کی اندرونی طاقت کو منظم رکھا، اور جس نے دہائیوں تک سپریم لیڈر خامنہ ای کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر ایران کی ریاستی سوچ کو شکل دی۔ جب 28 فروری 2026 کو خامنہ ای اس دنیا سے رخصت ہوئے تو پوری دنیا کی نظریں لاریجانی پر

علی لاریجانی کوئی معمولی سیاست دان نہیں تھے۔ یہ وہ شخص تھا جس نے ایران کے جوہری پروگرام کو مغربی طاقتوں کے سامنے بیٹھ کر ڈیفینڈ کیا، جس نے پارلیمنٹ کی سربراہی کرتے ہوئے ایران کی اندرونی طاقت کو منظم رکھا، اور جس نے دہائیوں تک سپریم لیڈر خامنہ ای کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر ایران کی ریاستی سوچ کو شکل دی۔ جب 28 فروری 2026 کو خامنہ ای اس دنیا سے رخصت ہوئے تو پوری دنیا کی نظریں لاریجانی پر تھیں کیونکہ وہی وہ شخص تھا جو ایران کی باگ ڈور سنبھالنے کی سب سے زیادہ پوزیشن میں تھا۔ مغرب سمجھ گیا کہ اگر یہ شخص مکمل اقتدار سنبھال لے تو ایران نہ جھکے گا، نہ بکے گا، اور نہ ٹوٹے گا۔

تھیں کیونکہ وہی وہ شخص تھا جو ایران کی باگ ڈور سنبھالنے کی سب سے زیادہ پوزیشن میں تھا۔ مغرب سمجھ گیا کہ اگر یہ شخص مکمل اقتدار سنبھال لے تو ایران نہ جھکے گا، نہ بکے گا، اور نہ ٹوٹے گا۔

لاریجانی کی زندگی کا سفر بھی کسی ناول سے کم نہیں تھا۔ نجف، عراق میں پیدا ہوئے، جہاں علم اور انقلاب کی ہوا ایک ساتھ چلتی تھی۔ انہوں نے ریاضی اور فلسفے میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی، ایران کے ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی سربراہی کی، سیکیورٹی کونسل میں بیٹھ کر ایران کے دشمنوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی، اور پھر پارلیمنٹ کے اسپیکر بنے۔ یہ ایک ایسا انسان تھا جو ہر محاذ پر لڑا اور ہر محاذ پر کھڑا رہا۔ مغرب نے انہیں کئی بار خریدنے کی کوشش کی، دھمکیاں بھی دیں، پابندیاں بھی لگائیں، لیکن لاریجانی نہ جھکے۔ اور جو جھکتا نہیں، مغرب اسے مٹا دیتا ہے۔

اور پھر وہی ہوا جو ہمیشہ ہوتا ہے۔ جب مغرب کو میز پر کوئی جواب نہیں ملتا تو وہ آسمان سے جواب دیتا ہے۔ 17 مارچ 2026 کو شہید علی لاریجانی تہران کے علاقے پردیس میں اپنی بیٹی کے گھر گئے ہوئے تھے، یہ کوئی فوجی اڈہ نہیں تھا، کوئی میزائل سائٹ نہیں تھی، یہ ایک باپ کا اپنی بیٹی کے گھر جانا تھا۔ لیکن امریکی اور اسرائیلی جنگی طیاروں کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ بم گرا دیا گیا۔ شہید علی لاریجانی کے ساتھ ان کے بیٹے مرتضیٰ کو بھی شہید کیا گیا، ان کے نائب کو بھی، اور وہ محافظ بھی جو انہیں بچانے کے لیے لپکے تھے وہ بھی اس حملے میں شہید ہو گئے۔ ایک ہی حملے میں پوری نسل کو مٹا دیا گیا۔

یہ پہلی بار نہیں ہوا۔ یاد کریں جنرل قاسم سلیمانی کو جنہیں بغداد ایئرپورٹ پر ڈرون حملے میں شہید کیا گیا۔ یاد کریں اسماعیل ہنیہ کو، جنہیں تہران میں مہمان بنا کر شہید کیا گیا۔ یاد کریں سید حسن نصر اللہ کو جنہیں ان کے گھر کے نیچے بم دفن کر کے شہید کیا گیا۔ ہر بار نشانہ وہی بنا جو مزاحمت کا نشان تھا، جو جھکنے سے انکاری تھا۔ یہ اتفاق نہیں ہے، یہ ایک سوچی سمجھی حکمت عملی ہے جس کا مقصد ہر اس قیادت کو ختم کرنا ہے جو اپنی شرائط پر جینے کی ہمت رکھتی ہو۔

اب ذرا ایک لمحے کے لیے رکیں اور سوچیں۔ یہ وہی مغرب ہے جو ہر تقریر میں "قانون کی بالادستی"، "انسانی حقوق" اور "سفارتی حل" کا درس دیتا ہے۔ یہ وہی مغرب ہے جس کا میڈیا فلسطین میں ہر بچے کی شہادت پر "اسرائیل کا حق دفاع" کا راگ الاپتا ہے۔ لیکن آج جب ایک ملک کے عملی سربراہ کو اس کی بیٹی کے گھر میں جا کر شہید کیا گیا تو وہی میڈیا خاموش ہے کیونکہ شہید ہونے والے اس نظام کے دشمن تھے اور قاتل وہی تھے جن کا بل یہ میڈیا ادا کرتا ہے۔ یہ محض منافقت نہیں، یہ ایک سوچا سمجھا نظام ہے جو مخالف آوازوں کی موت کو خبر نہیں بننے دیتا۔

سب سے تکلیف دہ بات یہ ہے کہ اس حملے کے بعد نہ اقوام متحدہ کا کوئی ہنگامی اجلاس بلایا گیا، نہ سلامتی کونسل میں کوئی قرارداد آئی،

نہ یورپی ممالک نے سفیر طلب کیے، نہ کسی بڑے مغربی رہنما نے اسے قتل کہا۔ بس خاموشی، گہری اور مجرمانہ خاموشی۔ یہ وہی خاموشی ہے جو غزہ میں ہزاروں بچوں کی شہادت پر طاری رہی، یہ وہی خاموشی ہے جو افغانستان میں شادی کی تقریبوں پر بموں کے بعد چھائی رہی۔ جب طاقتور مارے تو دنیا سوئی رہتی ہے، یہی اس نظام کا اصل چہرہ ہے۔ لیکن ایران نے خاموشی نہیں اختیار کی۔ شہادتوں کے باوجود تہران کی سڑکوں پر لاکھوں لوگ نکلے، نعرے لگے، اور ایک پیغام پوری دنیا کو دیا گیا کہ تم جتنے بھی شہید کرو، یہ قوم نہیں جھکے گی۔ یہی وہ جذبہ ہے جسے مغرب کبھی نہیں سمجھ پایا اور نہ سمجھے گا کیونکہ جو قوم اپنے شہیدوں کو خوف کا نہیں فخر کا باعث سمجھتی ہو، اسے بموں سے نہیں توڑا جا سکتا۔ شہید علی لاریجانی کا لہو ایران کی اگلی نسل کے لیے ایندھن بن گیا ہے، کمزوری نہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ باقی دنیا کہاں ہے؟ ترکی، سعودی عرب، مصر، یہ سب ممالک جو اسلامی اتحاد کی باتیں کرتے ہیں، آج ان کی زبانیں کیوں بند ہیں؟ کیا انسانی خون صرف اس وقت قیمتی ہوتا ہے جب سیاسی فائدہ ہو؟ جب ایک ملک کے سربراہ کو اس کی بیٹی کے گھر میں شہید کیا جائے اور پوری دنیا چپ رہے تو پھر انسانی حقوق کی باتیں کھوکھلے نعروں سے زیادہ کچھ نہیں۔ شہید لاریجانی کا سوال صرف ایران سے نہیں، ہر اس انسان سے ہے جو آج انصاف کا دعویٰ کرتا ہے۔

تاریخ بہت ظالم ہوتی ہے، وہ سب کچھ لکھتی ہے اور کچھ نہیں بھولتی۔ آنے والی نسلیں ضرور پوچھیں گی کہ جب ایک ملک کے سربراہ کو اس کی بیٹی کے گھر میں گھس کر شہید کیا جائے تو اسے جنگ کہتے ہیں یا دہشت گردی؟ اور اگر یہی کام کسی اور ملک نے کسی مغربی رہنما کے ساتھ کیا ہوتا تو کیا دنیا اتنی ہی خاموش رہتی؟ جواب سب جانتے ہیں۔ شہید علی لاریجانی اور شہید مرتضیٰ لاریجانی کا لہو آج اس دوہرے معیار کو بے نقاب کر رہا ہے جو دہائیوں سے قائم ہے، اور یہ لہو اس وقت تک پکارتا رہے گا جب تک دنیا اس سوال کا ایمانداری سے جواب نہیں دیتی۔ چند ماہ قبل خزاں کی ایک دوپہر میں، میں ان کے گھر گیا اور ان کی اہلیہ سے ملاقات ہوئی۔ ہمیں ان کی والدہ کے بارے میں بات کرنی

یاد کریں جنرل قاسم سلیمانی کو، جنہیں بغداد ایئرپورٹ پر ڈرون حملے میں شہید کیا گیا۔ یاد کریں اسماعیل ہنیہ کو، جنہیں تہران میں مہمان بنا کر شہید کیا گیا۔ یاد کریں سید حسن نصراللہ کو، جنہیں ان کے گھر کے نیچے بم دفن کر کے شہید کیا گیا۔ ہر بار نشانہ وہی بنا جو مزاحمت کا نشان تھا، جو جھکنے سے انکاری تھا۔ یہ اتفاق نہیں ہے، یہ ایک سوچی سمجھی حکمت عملی ہے جس کا مقصد ہر اس قیادت کو ختم کرنا ہے جو اپنی شرائط پر جینے کی ہمت رکھتی ہو۔

تھی، مگر پوری گفتگو کے دوران "علی" ان کی زبان سے نہیں اترا۔ وہ کہنے لگیں: "جب علی گھر پر نہیں ہوتے تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میرے ہاتھ کٹ گئے ہوں! اور جب وہ گھر پر ہوتے ہیں تو گھر کے سارے کام خود کرتے ہیں۔ بغیر کہے ہی سودا سلف اٹھا لیتے ہیں، سبزیاں صاف کرتے ہیں، مرغی تیار کرتے ہیں اور برتن بھی دھوتے ہیں۔"

یہ سن کر میں حیران رہ گیا کہ ایک ایسا شخص جو گھر سے باہر ایران کی قومی سلامتی کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے، وہ گھر میں یہ سب کام کیسے کر لیتا ہے؟

انہوں نے مزید کہا۔۔علی چھ ماہ سے گھر نہیں آئے تھے۔ بارہ روزہ جنگ کے بعد تو انہیں عام زندگی گزارنے کی بھی اجازت نہیں رہی ایک ایسا شخص جس کے قتل پر عالمی طاقتوں نے انعام رکھ دیا ہو، درحقیقت ایک نہایت رومانوی مزاج رکھنے والا، نرم دل اور باوقار انسان تھا۔

ان کی اہلیہ فریدہ مطہرہ نے کہا۔۔علی نے کبھی پارلیمنٹ یا دیگر عہدوں سے تنخواہ نہیں لی۔ کئی سالوں سے ان کی آمدنی ایک یونیورسٹی پروفیسر جتنی ہی رہی، اور اس میں سے بھی وہ ہر ماہ کچھ حصہ سرکاری خزانے میں جمع کرا دیتے تھے تاکہ وہ خود کو مقروض محسوس نہ کریں۔ انہوں نے بتایا۔۔۔جب ہم یہ گھر خرید رہے تھے تو ہمیں پیسوں کی ضرورت تھی۔ میری بیٹی نے کہا: 'ابو! آپ پارلیمنٹ کی بقایا تنخواہ کیوں نہیں لے لیتے؟' مگر علی نے انکار کرتے ہوئے کہا۔۔ہم اس ملک کے بہت مقروض ہیں، مجھے کوئی حق نہیں بنتا۔

یہ باتیں ایک ایسے شخص کے بارے میں تھیں جس نے انقلاب کے آغاز سے ہی کبھی آرام نہیں کیا اور ہمیشہ ملک کے لیے محنت کرتا رہا۔ انہوں نے مزید کہا۔۔علی کا خاندان ہمارے خاندان سے زیادہ خوشحال تھا، ان کے پاس شمال میں زمینیں اور مویشی تھے۔ مگر شادی کے بعد جو گھر ہمیں دیا گیا وہ اتنا چھوٹا تھا کہ میرے والد مرتضیٰ مطہری کو دو صوفے اور دو قالین جہیز میں دینے پڑے تاکہ گھر بھرا ہوا لگے۔ وہی صوفے اور قالین آج بھی ان کے گھر میں موجود ہیں، اور چالیس سال بعد بھی انہوں نے کوئی نیا فرنیچر نہیں لیا۔ فریدہ کہتی ہیں۔۔۔ان چالیس سالوں میں، جب سے میرے والد شہید ہوئے، علی میرے لیے باپ بھی تھے، شوہر بھی، دوست بھی اور استاد بھی۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ ان کے سر کا ایک بال بھی کم ہو جائے۔

جب میں نے خبر پڑھی کہ علی لاریجانی شہید ہو گئے، تو مجھے ان کے بارے میں یا انقلاب کے بارے میں فکر نہیں ہوئی، بلکہ میں فریدہ کے بارے میں سوچتا رہا اس عورت کے بارے میں جس کے والد ایک دن شہید ہوئے، اور کل اس کے شوہر، دوست اور استاد علی بھی شہید ہو گئے۔ اور اس کا بیٹا مرتضیٰ، جس کی آواز بہت خوبصورت تھی اور جو اذان بڑے پیار سے دیتا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ اس عورت کی ایک آہ بھی امریکہ اور اسرائیل کو ہلا دینے کے لیے کافی ہے۔

شہید سیف الاسلام: جہادِ کشمیر کا ایک تابناک ستارہ

عبدالرشید ڈار

دست جفا سر ہیں یہ ارباب وفا کے۔ یہ الفاظ نہ صرف شاعری کے جملے ہیں بلکہ ان کی حقیقت ان مجاہدین کی زندگیوں میں نظر آتی ہے جو اپنے وطن کی آزادی اور ملت کے وقار کے لیے جانوں کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ انہی ارباب وفا میں سے ایک نام ہے غلام حسن خان عرف انعام اللہ خان عرف سیف الاسلام۔ حزب المجاہدین کے چیف آپریشنل کمانڈر کے طور پر انہوں نے کشمیر کی تحریک آزادی میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ ان کی شہادت نے ہزاروں نوجوانوں کے دلوں میں جہاد کا ولولہ مزید بھڑکا دیا۔ یہ کہانی ایک ایسے شخص کی ہے جس نے سرکاری نوکری، تجارت اور خاندانی زندگی کو چھوڑ کر جہاد کا راستہ اختیار کیا اور بالآخر اپنی جان کی قربانی دے کر امر ہو گئے۔

غلام حسن خان 1946ء میں ضلع پلوامہ کی ایک چھوٹی سی بستی تاچھلو شوپیاں میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد محمد عبداللہ خان ایک عام گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ ابتدائی تعلیم مکمل کرنے کے بعد انہوں نے گریجویشن کیا اور سرکاری ملازمت اختیار کر لی۔ علاقے میں وہ ایک نیک دل اور دیانت دار افسر کے طور پر مشہور ہوئے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ ایک ایماندار تاجر کی حیثیت سے بھی لوگوں کے درمیان معروف تھے۔ ان کی زندگی آرام وسکون سے بھری ہوئی تھی لیکن قسمت نے ان کے لیے کچھ اور ہی منصوبہ بنایا تھا۔ دوران ملازمت ان کا تعلق جماعت اسلامی سے قائم ہوا۔ ان کی صلاحیت، قابلیت، محنت اور دیانتداری نے انہیں جماعت کے رکن بننے کا اعزاز بخشا۔ 1988ء میں جب کشمیر میں جہادی سرگرمیاں شروع ہوئیں تو غلام حسن خان نے فیصلہ کیا کہ وہ

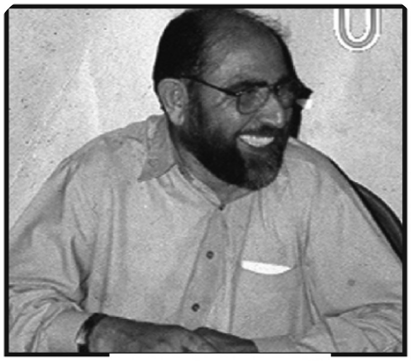

شہید انعام اللہ خان

بھی اس مقدس فریضے میں شامل ہوں گے۔ انہوں نے جہادی صفوں میں قدم رکھا اور انعام اللہ خان کے نام سے کام شروع

دست جفا سر ہیں یہ ارباب وفا کے۔ یہ الفاظ نہ صرف شاعری کے جملے ہیں بلکہ ان کی حقیقت ان مجاہدین کی زندگیوں میں نظر آتی ہے جو اپنے وطن کی آزادی اور ملت کے وقار کے لیے جانوں کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ انہی ارباب وفا میں سے ایک نام ہے غلام حسن خان عرف انعام اللہ خان عرف سیف الاسلام۔ حزب المجاہدین کے چیف آپریشنل کمانڈر کے طور پر انہوں نے کشمیر کی تحریک آزادی میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ ان کی شہادت نے ہزاروں نوجوانوں کے دلوں میں جہاد کا ولولہ مزید بھڑکا دیا۔ یہ کہانی ایک ایسے شخص کی ہے جس نے سرکاری نوکری، تجارت اور خاندانی زندگی کو چھوڑ کر جہاد کا راستہ اختیار کیا اور بالآخر اپنی جان کی قربانی دے کر امر ہو گئے

کیا۔ بعد میں انہیں سیف الاسلام کے جہادی نام سے پہچانا جانے لگا۔ ان کا مقصد بھارتی جبر واستبداد کے خلاف جدوجہد اور کشمیر کی آزادی حاصل کرنا تھا۔ انہوں نے ہزاروں نوجوانوں کو اس راہ پر رہنمائی کی اور جہاد بالسیف کا پیغام دیا۔ ابتدائی دنوں سے لے کر 1997ء تک سیف الاسلام نے حزب المجاہدین کے پرچم تلے مختلف اہم ذمہ داریاں سنبھالیں۔ انہوں نے مجاہدین کی مضبوط تنظیم تیار کی، دشمن کی فوج کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور بھارتی فورسز کو بڑے نقصانات پہنچائے۔ ان کی قیادت میں کئی کامیاب کارروائیاں ہوئیں جن سے بھارتی حکام کی منصوبہ بندی بری طرح متاثر ہوئی۔ خاص طور پر گورنر سکسینہ کی کاؤنٹر انسرجنسی پالیسی کو انہوں نے ناکام بنا دیا۔ ان کی عسکری حکمت عملی اور بہادری کی وجہ سے دشمن کی صفوں میں دہشت پھیل گئی۔

1997ء میں مرکزی قیادت کے حکم پر وہ بیس کیمپ آ گئے۔ اس وقت ان کے اہل خانہ پر بھارتی فوج نے شدید ظلم کیا تھا۔ انہیں اپنا گھر اور بستی چھوڑنے پر مجبور کیا گیا۔ ان کے چچیرے بھائی محمد ایوب خان کو گرفتار کر کے شدید تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ انٹروگیشن کے دوران ان کی آنکھیں نکال لی گئیں اور وہ شہید ہو گئے۔ ایسے مظالم کے باوجود سیف الاسلام کا عزم مزید مضبوط ہوا۔ بیس کیمپ میں انہوں نے کئی اہم ذمہ داریاں دیانتداری اور خوش اسلوبی سے انجام دیں۔ 2001ء میں حزب المجاہدین کی مرکزی کمانڈ کونسل نے ان کی عسکری صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے انہیں سالار اعلیٰ یعنی چیف آپریشنل کمانڈر مقرر کیا۔ اس وقت ان کی عمر پچپن سال تھی اور وہ شوگر کے موذی مرض میں مبتلا تھے۔ پھر بھی انہوں نے بلا چون و چرا حکم کی اطاعت کی۔ برف سے ڈھکی تیرہ ہزار فٹ بلند پہاڑی چوٹیوں کو عبور کرتے ہوئے وہ چند ساتھیوں کے ساتھ وادی لولاب میں داخل ہوئے۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے سیف الاسلام کے نام سے مجاہدین کی از سر نو تنظیم کی نئی جوش وخروش کے ساتھ جہادی کارروائیاں شروع ہو گئیں۔ دشمن پر تقریباً روزانہ حملے ہونے لگے۔ بارودی دھماکوں اور فائرنگ سے بھارتی فورسز کو مسلسل نقصان پہنچایا گیا۔ سیف الاسلام نے جہاد کشمیر کو اس کی اصل روح اور سمت دی۔ ان کی قیادت میں تحریک میں نئی جان پڑ گئی۔ 2 اپریل 2003ء کو چھانہ پورہ سری نگر میں ایک اہم مشن پر جاتے ہوئے کمانڈر سیف الاسلام بھارتی فورسز کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ گرفتاری کے چند گھنٹوں

بعد ہی بھارتی جلادوں نے ان پر وحشیانہ تشدد شروع کر دیا۔ان کے جسم پر خنجر کے وار کیے گئے تاکہ وہ راز اگل دیں۔خون کے فوارے چھوٹتے رہے۔ان کا صبر واستقامت پہاڑ کی مانند تھا۔جب دشمن نے دیکھا کہ ان سے کچھ نہیں نکلے گا تو انہوں نے اس بہادر مجاہد کی گردن پر چھری چلادی۔اس طرح پیرانہ سالی میں بھی سیف الاسلام نے اپنے رب کی رضا اور کشمیر کی آزادی کے لیے جان قربان کر دی۔ان کی شہادت کی خبر آگ کی طرح پھیل گئی۔ 3اپریل کو ان کا جسد خاکی تا چھلو شو پیاں پہنچایا گیا۔ 4 اپریل جمعہ کے دن تیس ہزار سے زائد کشمیری عوام نے ان کا آخری دیدار کیا۔اشک بار آنکھوں سے انہیں مزار شہداء میں دفن کیا گیا۔ پوری ریاست میں ہڑتال رہی۔جگہ جگہ جلسے اور جلوس نکالے گئے۔آزادی کے نعرے گونجتے رہے۔بیس کیمپ مظفر آباد میں بھی ہزاروں لوگوں نے غائبانہ نماز جنازہ ادا کی۔حزب المجاہدین کے امیر سید صلاح الدین، جماعت اسلامی پنجاب کے امیر حافظ ادریس اور آزاد کشمیر جماعت اسلامی کے امیر اعجاز افضل سمیت دیگر رہنماؤں نے انہیں زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔

شہید سیف الاسلام کے بڑے بیٹے شاہد افتخار خان نے اپنے والد کو خراج پیش کرتے ہوئے کہا کہ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ مجھے ایک شہید کا بیٹا بننے کا شرف ملا۔شہید زندہ ہوتا ہے اور اللہ کے ہاں سے رزق پاتا ہے۔انہوں نے تمام شہداء کو سلام کیا جو اللہ کی رضا اور وطن کی آزادی کے لیے جانوں کا نذرانہ پیش کرتے رہے۔خاص طور پر ان ماؤں، بہنوں اور بھائیوں کو خراج تحسین پیش کیا جنہوں نے بھارتی مظالم سہتے ہوئے بھی شہداء کا مشن جاری رکھا۔ان کے والد نے ہمیشہ تحریکی مفادات کو گھر کے مفادات پر مقدم رکھا۔بچوں کی فکر کی بجائے ملت مظلومہ کشمیر کی فکر کی۔اسی فکر نے انہیں دنیا سے بے نیاز کر دیا اور بڑھاپے میں بھی میدان جنگ میں قدم رکھنے پر مجبور کیا۔

حزب المجاہدین کے امیر سید صلاح الدین نے شہید سیف الاسلام کو یاد کرتے ہوئے کہا کہ ان کی شہادت سے تحریک ایک عظیم اور باصلاحیت کمانڈر سے محروم ہوگئی۔اللہ انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔انہوں نے ابتدائے تحریک سے ہزاروں

ان کی شہادت کے بعد کشمیر کی تحریک آزادی میں ایک نیا جوش پیدا ہوا۔لوگوں نے ان کی قربانی کو یاد رکھا اور جہاد کو آگے بڑھایا۔حزب المجاہدین نے ان کے مشن کو جاری رکھا۔ان کی زندگی ایک سبق ہے کہ جب کوئی شخص اللہ کی راہ میں نکلتا ہے تو وہ دنیاوی مفادات سے بالاتر ہو جاتا ہے۔عمر، بیماری اور خاندانی ذمہ داریاں رکاوٹ نہیں بنتیں۔سیف الاسلام نے ثابت کیا کہ سچا مجاہد وہ ہے جو اپنی جان اللہ اور وطن کے لیے وقف کر دے۔

نوجوانوں کو جہاد کے لیے منظم اور مسلح کیا۔میدان جنگ میں انہوں نے مجاہدین کو ولولہ انگیز قیادت فراہم کی۔شہادت کے باوجود جہاد کا کارواں جاری رہے گا۔ان سے پہلے شہید جعفر نعمانی اور شہید ابراہیم نے بھی اپنا لہو نچھاور کیا۔ یہ سب شہداء سینکڑوں بھارتی فوجیوں کو جہنم رسید کر چکے ہیں۔ان کی بہادری اور جذبہ جہاد نے دشمن کو لرزا دیا۔

سید صلاح الدین نے مزید کہا کہ شہید سیف الاسلام سمیت تمام شہداء کا لہو ہم پر قرض ہے۔اس لہو کی لاج رکھنا ہم سب کا فرض ہے۔جب تک کشمیر بھارتی قبضے سے آزاد نہیں ہوتا، جہاد کا قافلہ جاری رہے گا۔اگر دلوں میں جذبہ جہاد، اللہ پر بھروسہ، صفوں میں اتحاد اور اللہ کی طرف رغبت ہو تو اللہ کی نصرت اور فرشتے شانہ بشانہ ہوں گے۔شہید سیف الاسلام کا سفر اب کمانڈر غازی نصیر الدین کی قیادت میں جاری رہے گا۔کشمیر کی سرزمین پر آزادی کا سورج طلوع ہوگا ان شاء اللہ۔اللہ ہم سب کو شہداء کے مشن کو مکمل کرنے کی توفیق دے۔آمین۔سیف الاسلام شہید کی قربانی ہمیں یہ پیغام دیتی ہے کہ جس مقصد کے لیے شہداء نے اپنا لہو بہایا، اس کی حفاظت کرنا ہمارا مقدس فریضہ ہے۔ہم عہد کرتے ہیں کہ جہاد کی راہ پر آخری سانس تک ڈٹے رہیں گے۔ یا تو آزادی حاصل کریں گے یا شہادت پائیں گے۔اے شہید سیف الاسلام! آپ کے ہمالیائی عزم، حوصلے اور صبر وثبات کو سلام۔اس مٹی کو سلام جس پر آپ کا لہو گرا۔ان ہواؤں کو سلام جن میں آپ کی آخری سانسیں تحلیل ہوئیں۔اس مزار کو سلام جس میں آپ کا جسد خاکی مدفون ہے۔ان کی شہادت کے بعد کشمیر کی تحریک آزادی میں ایک نیا جوش پیدا ہوا۔لوگوں نے ان کی قربانی کو یاد رکھا اور جہاد کو آگے بڑھایا۔حزب المجاہدین نے ان کے مشن کو جاری رکھا۔ان کی زندگی ایک سبق ہے کہ جب کوئی شخص اللہ کی راہ میں نکلتا ہے تو وہ دنیاوی مفادات سے بالاتر ہو جاتا ہے۔عمر، بیماری اور خاندانی ذمہ داریاں رکاوٹ نہیں بنتیں۔سیف الاسلام نے ثابت کیا کہ سچا مجاہد وہ ہے جو اپنی جان اللہ اور وطن کے لیے وقف کر دے۔ان کی پیدائش سے لے کر شہادت تک کا سفر ہمیں بتاتا ہے کہ ایک عام انسان بھی جب اللہ کے حکم پر چلتا ہے تو وہ عظیم بن جاتا ہے۔انہوں نے جماعت اسلامی سے شروعات کی، پھر جہاد میں شامل ہوئے اور آخری سانس تک دشمن کا مقابلہ کیا۔ان کی گرفتاری اور تشدد کی کہانی ان کے غیر معمولی صبر کی گواہ ہے۔دشمن نے انہیں توڑنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ان کا خون آج بھی کشمیر کی آزادی کی آواز بن کر گونج رہا ہے۔شہید سیف الاسلام کی یاد میں کشمیری عوام آج بھی انہیں خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ان کی شہادت کی برسی پر جلسے منعقد ہوتے ہیں۔نوجوان ان کی کہانی سن کر متاثر ہوتے ہیں اور جہاد کی راہ پر چلنے کا عزم کرتے ہیں۔ان کی بیٹیوں، بیٹوں اور اہل خانہ نے بھی بڑے صبر سے مظالم سہے۔ان کا خاندان آج بھی ان کے مشن پر فخر کرتا ہے۔آخر میں یہ کہنا چاہیے کہ شہید سیف الاسلام جیسی شخصیات تاریخ کا حصہ بن جاتی ہیں۔ان کی قربانیاں ضائع نہیں ہوتیں۔اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں اعلیٰ مقام دے اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔کشمیر کی آزادی کا خواب ایک دن ضرور پورا ہوگا۔اس دن تک جہاد کا کارواں چلتا رہے گا۔خون جگر کے بغیر نقش ناتمام رہتے ہیں اور نغمہ خام رہتا ہے۔سیف الاسلام نے اپنے خون سے یہ نقش مکمل کیا۔

اپنے لہو سے وضو کر کے جو سرخرو ٹھہرے۔۔۔شہید کمانڈر طارق الاسلام

فاروق قیصر

کشمیر کی سرزمین اپنی خوبصورتی کے ساتھ ساتھ ان گنت عظیم سپوتوں کی داستانوں اور یادوں کو بھی اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔شجاعت کی ان داستانوں میں کچھ ایسے کردار بھی شامل ہیں جنہوں نے اپنے یقین،حوصلے اور عزم کے ساتھ اپنی پہچان قائم کی۔وقت گزرنے کے باوجود ان کی یادیں دلوں میں زندہ رہتی ہیں اور ماضی کے دریچوں سے جھانکتی محسوس ہوتی ہیں۔ایسے ہی ایک داستان شجاعت شہید بشیر احمد ڈار المعروف کمانڈر طارق الاسلام کی ہے،جنہیں ہم سے بچھڑے کئی دہائیاں بیت چکی ہیں،مگر ان کا ذکر آج بھی احساسات کو تازہ کر دیتا ہے۔ان کی زندگی کے مختلف پہلو ایک ایسے انسان کی تصویر پیش کرتے ہیں جو تعلیم،نظم وضبط اور اپنے نظریات کے ساتھ جڑا ہوا تھا۔اس عظیم سپوت کے بارے میں چند سطور قلمبند کرنے کی کئی بار کوشش کی لیکن بس ایک ہی بات ذہن میں گردش کر رہی تھی کہ جس شہید نے اپنے لہو سے وضو کیا ہو اور لہو میں نہا کر اللہ کے حضور پیش ہوا ان کا ذکر کیونکر ادا ہو سکے گا۔میری اس حالت کی ترجمانی کسی نے کیا خوب کی ہے۔

اے راہروان راہ وفا ہم تم سے بہت شرمندہ ہیں
تم جان پہ اپنی کھیل گئے اور ہم سے ہوئی تاخیر بہت

بشیر احمد ڈار کی پیدائش ضلع بارہمولہ کے گاؤں پلہالن میں ایک سادہ اور محنتی خاندان میں ہوئی۔ان کے والد عبدالعزیز ڈار زمینداری سے وابستہ تھے۔ابتدائی تعلیم گاؤں کے اسکول سے حاصل کرنے کے بعد انہوں نے ہائر سیکنڈری تعلیم پٹن سے مکمل کی اور بعد ازاں ڈگری کالج بارہمولہ سے گریجویشن کی۔علم سے شغف نے انہیں مزید تعلیم کی طرف راغب کیا اور انہوں نے کشمیر یونیورسٹی سے ماسٹرز کی ڈگری حاصل کی۔تعلیمی میدان کے ساتھ ساتھ وہ کھیلوں میں بھی دلچسپی رکھتے تھے۔کرکٹ کے ایک اچھے کھلاڑی کے طور پر وہ اپنے علاقے میں جانے جاتے تھے۔ 80 کی دہائی میں ایک موقع پر پلہالن گھاٹ کے ایک وسیع وعریض میدان جسے مقامی زبان میں (سدپوہ) کے نام سے لوگ جانتے ہیں،جہاں ایک وقت میں درجن کے قریب ٹیموں کے کھیلنے کی گنجائش ہر وقت موجود رہتی تھی میں ایک ٹورنامنٹ جاری تھا جسمیں متعدد ٹیموں نے حصہ لیا تھا ان میں ایک ٹیم ہندو برادری کی بھی تھی جو فائنل میں پہنچ چکی تھی۔آپ نے اپنی ٹیم کی قیادت کرتے ہوئے اس اہم ٹورنامنٹ میں کامیابی بھی حاصل کی۔یہ وہ دور تھا جب ہندو برادری سمیت مختلف برادریوں کے درمیان ہم آہنگی اور باہمی احترام کی فضا موجود تھی،اور کھیل کے میدان اس ہم آہنگی کی خوبصورت مثال پیش کرتے تھے۔فائنل میچ کی خوبصورتی یہ تھی کہ مہمان خصوصی کی حیثیت سے جماعت اسلامی کے رہنما شہید عبدالرشید فرحت صاحبؒ پلہالن (امیر تحصیل پٹن جماعت اسلامی مقبوضہ کشمیر و بٹالین ایڈمنسٹریٹر حزب المجاہدین بارہمولہ) نے شرکت کی تھی۔یہ مقابلہ ہندو ٹیم ہار گئی اور جس ٹیم کی قیادت بشیر احمد کر رہے تھے فائنل کی ٹرافی شہید فرحت صاحب کے ہاتھوں وصول کی۔اختتام پر شہید فرحت صاحبؒ نے Runner up ٹیم کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ان کے کھیل کو سراہا اور ان کی جان توڑ محنت کو داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔دونوں ٹیموں کے کھلاڑیوں کو مخاطب کرتے ہوئے اپنے کلمات میں کہا ”کہ ہار اور جیت کھیل کا لازمی حصہ ہیں،جنہیں کھلاڑیوں کو کھیل کی روح کے مطابق قبول کرنا چاہیے۔یہ نظریہ کہ شکست و فتح اتفاق ہے،کھلاڑیوں کو حوصلہ دیتا ہے۔کھیل نہ صرف ڈسپلن سکھاتا ہے،بلکہ صبر،محنت اور ٹیم ورک کی اہمیت بھی اجاگر کرتا ہے،جس سے ہارنے کے بعد بھی بہتری کی گنجائش رہتی ہے“۔اس خطاب نے ہر کھلاڑی کو متاثر کیا اور جماعت اسلامی کی ان شخصیات کا ایک نمایاں پہلو نظم وضبط،سنجیدگی اور قائدانہ صلاحیتیں ہی تھیں جن کی بدولت نوجوانوں کی ایک کھیپ ان کی دعوت کی طرف لپک گئی۔بشیر احمد ڈار بھی ان ہی جوانوں میں شامل تھے جو جہاد کشمیر کے اولین دور میں جماعت اسلامی کی آغوش میں تربیت پا کر جذبہ جہاد سرشار ہوئے۔1990 میں گردوپیش کے حالات سے آپ بخوبی

واقف تھے،تحریک آزادی کی جدوجہد شروع ہو چکی تھی ہر مکتبہ فکر کے لوگ اس میں شامل ہو چکے تھے،پوری قوم یکسو ہو کر بھارت کی غلامی سے نجات چاہتی تھی،نوجوان دیوانہ وار جہادی صفوں میں شمولیت اختیار کر رہے تھے،آپ نے بھی جہاد کے اولین دور میں عسکری تربیت حاصل کرنے کے لیے خون کے دریا عبور کرنے کا تہیہ کر لیا اور اس خون کے دریا سے گزر کر ایک جنون اور ایک امنگ لے کر اپنی منزل پر پہنچ گئے۔مختلف ذمہ داریوں پر فائز رہتے ہوئے انہوں نے اپنے ساتھیوں کے درمیان ایک منظم طرزِ عمل کو فروغ دینے کی کوشش کی۔آپ نہ صرف باصلاحیت تھے بلکہ نرم گفتار،بااخلاق اور اصول پسند انسان تھے۔آپ کے داعیانہ کردار، صاحب بصیرت

اورصاحب الرئے اوصاف کی بدولت تنظیم نے آپ کو 1990 میں براکوٹ کمیپ کی امارت کی بھاری ذمہ داری سونپی جہاں سینکڑوں حزب المجاہدین کے سرفروش خیمہ زن تھے ،ان دنوں یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی جہاں آپ کے علاوہ ایک اچھی خاصی تعداد میں اعلیٰ تعلیم یافتہ قائدین موجود ہوں ،وہاں اس بھاری ذمہ داری کو نبھانا آسان نہ تھا بلکہ ایک کٹھن مرحلہ تھا لیکن آپ نے نظم وضبط کی اعلیٰ مثال قائم کرتے ہوئے اس بھاری ذمہ داری کوخوب طریقے سے نبھایا۔
1992 معرکہ ہائی گام جس میں ناظم اعلیٰ تعلیم و تربیت

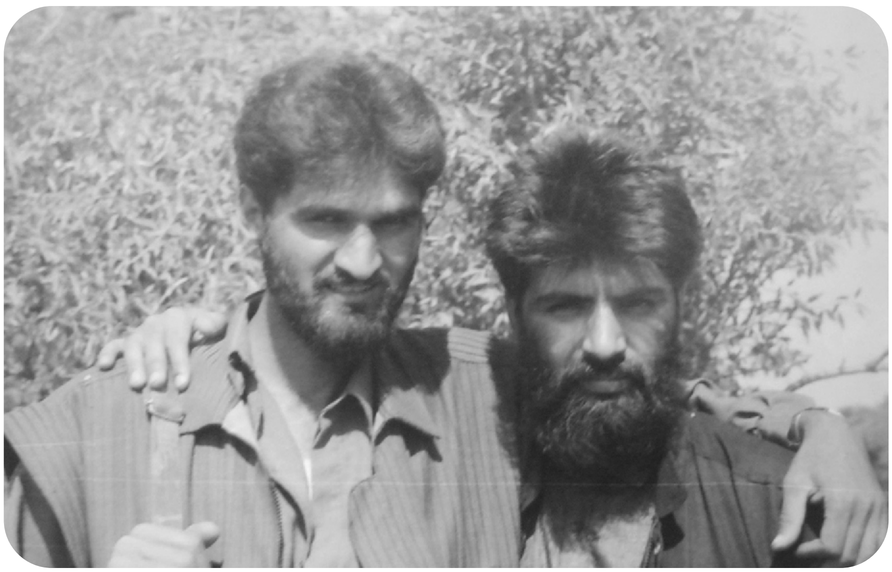

حزب المجاہدین کمانڈر شہید سلیم اور کمانڈر یعقوب سجاد سمیت پانچ مجاہدین نے شہادت کا رتبہ پالیا،محسوس ہوتا تھا کہ علاقے میں ایک خلا سا پیدا ہوا تھا لیکن علاقہ اعلیٰ صلاحیت کے حامل مجاہدین سے خالی نہیں تھا ایک سے بڑھ کر ایک باصلاحیت کمانڈان کی کھیپ موجود تھی لیکن علاقے کی کمان سنبھالنے کا قرعہ فال کمانڈر طارق الاسلام کے نام نکلا۔یوں میدان کارزار میں موجود قیادت کا انتخاب جب آپ ہی ٹھہرے تو 1993 میں تنظیم کے حکم پر لبیک کہہ کے آپ ایک اہم شہید کمانڈر خالد ثانی جو بڈگام علاقے سے تعلق رکھتے تھے اور چند ساتھیوں کے ہمراہ دشوار گزار سرحدی راستوں کو کامیابی سے عبور کرنے کے بعد اپنے علاقے میں پہنچ گئے۔ چونکہ آپ تازہ دم وادی پُر خار میں آئے تھے مقامی نظم آپ کی عسکری صلاحیتوں سے پہلے ہی آگاہ تھی اس لیے

میدان کارزار کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے پہلے ہی مرحلے میں کپنی کمانڈر کی اہم ذمہ داری آپکے کندھوں پر ڈال دی گئی۔ اس طرح آپ نے وہ خلا پُر کرنے کی کوشش کی جو کمانڈر سلیم اور کمانڈر یعقوب کی شہادت سے پیدا ہو چکا تھا۔چونکہ آپ کو شہید کمانڈر برہان الدین حجازیؒ کے شانہ بشانہ کام کرنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی تھی ،ان کی انسیت ،شفقت اور پیار کے ساتھ ساتھ آپ کو ان سے عسکریت کے حوالے سے بہت کچھ سیکھنے کو ملا ۔گوریلا جنگ کے گُر سے آپ چنداں واقف تھے،آپ نے گوریلا طرز کی حکمت عملی پر عمل کرتے ہوئے علاقے میں

مجاہدین کی بھرتی کے دوران اس اصول کو اپنایا کہ علاقے میں کم سے کم مجاہدین کو رکھا جائے اور ضرورت کے مطابق مجاہدین کو لانچ کیا جائے ،مجاہدین قوم کا اثاثہ ہے جسے بہترین حکمت عملی کے ساتھ دشمن کے خلاف لڑنے کی ترغیب دی جائے اور تنظیمی ضابطوں کی بنیادوں پرنئی بھرتی کو عمل میں لایا جائے۔ان میں ایک ضابطہ یہ بھی تھا کہ نئے بھرتی ہونے والے مجاہدین کو پہلے چند ماہ میدان کارزار میں ہی ساتھ رکھ کر ان کی ذہن سازی کی جائے ،ان کی فکری تربیت کی جائے اور وہ آزمائش کی بھٹیوں سے کندن بن کر نکلنے کے بعد تربیت کے لئے اگلے منزلوں کی طرف بھیج کر انہیں قافلہ سخت جان کا حصہ بنایا جائے۔ایک عسکری ماہر ہونے کے ناطے آپ نے دشمن کے خلاف بہترین حکمت عملی اپنانے ہوئے درجنوں کارروائیاں کیں اور خود بھی بہت سی

کارروائیوں میں حصہ لیا ان کارروائیوں کے دوران بھارتی فوج کو کافی جانی و مالی نقصان سے دوچار ہونا پڑا۔آپ کی کارووائیاں بھارتی فوج کی نظروں سے اوجھل نہ تھی ،آپ کو شہید یا زندہ گرفتار کرنے کے لیے بھارتی فوج نے علاقے کا چپہ چپہ چھان مارااور آئے روز پلہالن اور اس سے ملحقہ علاقے بھارتی افواج کے محاصروں کی زد میں رہتے تھے،لوگوں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا تھا،اس دوران آپ کے گھر والوں کو بھی تختہ مشق بنایا گیا،آپ کے رشتہ داروں کو سنگین ٹارچر سے گزرنا پڑا لیکن آپ کے ''پایہ استقلال'' میں کوئی لغزش نہیں آئی ،ایک دفعہ کا ذکر ہے بھارتی فوج کو کہیں سے انفارمیشن تھی کہ آپ اپنے ہی گھر میں تہہ خانے میں بنے ہائیڈ اؤٹ میں موجود ہیں ،بھارتی فوج نے آپ کے محلے کو گھیرے میں لیا اور گھر گھر تلاشی لی ،بھارتی فوج کو پکا بھروسہ تھا کہ آپ اپنی ہائیڈ میں چھپے ہیں،انہوں نے اعلانات کئے کہ باہر آئیں آپ فوج کے گھیرے میں آچکے ہیں،لیکن جب کوئی مکان سے باہر نہیں آیا انہوں نے آپکے مکان کو چاروں طرف بارود لگا کر اسے زمین بوس کیا،بھارتی فوجی جشن مناتے ہوئے ملبے سے آپ کی لاش تلاش کر رہے تھے لیکن انہیں کوئی لاش نہیں ملی ،بلکہ بھارتی فوج کو ناکام و نامراد ہاتھ ملتے ہوئے وہاں نکلنا پڑا کیونکہ آپ اس وقت اپنے گھر والی ہائیڈ میں موجود نہ تھے بلکہ ایک اور کمین گاہ میں پناہ لئے ہوئے تھے۔ناکامی کے بعد بھارتی فوج نے آپ کے لیے نئے جال بننے شروع کردئے اور اپنی تلاشی اور محاصروں کی مہم میں شدت لائی۔آپ کے حوصلے کبھی پست نہیں ہوئے بلکہ اس طوفان کے سامنے آپ چٹان کی طرح کھڑے رہے۔دن بہ دن آپ کی صلاحیتیں نکھر کر سامنے آرہی تھیں،تنظیم نے چند برس کے بعد ہی آپ کو علاقے کا بٹالین کمانڈر مقرر کیا گیا۔اس ذمہ داری کو آپ نے ایک سال تھا بخوبی نبھایا اس کے بعد آپ ڈپٹی ڈسٹرکٹ کمانڈر کی حیثیت سے عسکری سطح پر جو کارنامے آپ نے انجام دیے وہ تاریخ کا ایک حسین باب ہے۔مجاہدین کا زور توڑنے کے لئے جماعت اسلامی مقبوضہ جموں وکشمیر کو تختہ مشق بنانے کے لیے اس دوران بھارتی فوج کی سرپرستی میں کشمیر میں اخوان ملیشیا وجود میں آئی جنہیں بھارتی فوج کی طرف سے ہر قسم کی سپورٹ حاصل رہی

کشمیر کی سرزمین اپنی خوبصورتی کے ساتھ ساتھ ان گنت عظیم سپوتوں کی داستانوں اور یادوں کو بھی اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ شجاعت کی ان داستانوں میں کچھ ایسے کردار بھی شامل ہیں جنہوں نے اپنے یقین، حوصلے اور عزم کے ساتھ اپنی پہچان قائم کی۔ وقت گزرنے کے باوجود ان کی یادیں دلوں میں زندہ رہتی ہیں اور ماضی کے دریچوں سے جھانکتی محسوس ہوتی ہیں۔ ایسے ہی ایک داستانِ شجاعت شہید بشیر احمد ڈار المعروف کمانڈر طارق الاسلام کی ہے، جنہیں ہم سے بچھڑے کئی دہائیاں بیت چکی ہیں، مگر ان کا ذکر آج بھی احساسات کو تازہ کر دیتا ہے۔ ان کی زندگی کے مختلف پہلو ایک ایسے انسان کی تصویر پیش کرتے ہیں جو تعلیم، نظم و ضبط اور اپنے نظریات کے ساتھ جڑا ہوا تھا

مجاہدین کے اوپر کڑی آزمائش کا وقت تھا، بہت سے لوگ ان کی صفوں میں شامل ہوئے۔ اخوان کی سرکوبی کے لئے کمانڈر طارق الاسلام نے نئی صف بندی کی اور اس آزمائش سے بھی آپ سرخ رو ہو کر نکلے، بڑی حد تک اخوانیوں کا قلع قمع کرنے میں آپ کا کلیدی رول رہا ہے۔ سال 1995ء میں 3 اپریل کو آپ شہید کمانڈر نعمانی کے ہمراہ ایک خوصوصی میٹنگ کے سلسلے میں شہید ضلع کمانڈر شاکر غزنوی کے علاقے گوشہ بگ میں ایک گھر موجود تھے کہ دشمن کو آپکی موجودگی کی اطلاع ملی، انہوں نے اس محلے کو گھیر لیا جہاں آپ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ موجود تھے، آپ صورتحال کو جلدی بھانپ گئے اور ان کی رائے جاننا چاہتے تھے کہ کیا وہ اس مرحلے سے نکلنے کے لئے تیار ہیں، ان کی رائے جان کر آپ نے فیصلہ کیا کہ دشمن فوج کا مقابلہ ہر صورت کیا جائے اور مکان سے باہر نکل کر کیا جائے، اور دشمن پر بھرپور وار کر کے ایک سائیڈ سے گھیرا توڑ کر دوسرے محلے کی طرف نکل کر محفوظ راستے کی طرف پیش قدمی کی جائے۔ منصوبہ کامیاب رہا

مجاہدین نے ایسا ہی کیا دشمن پر باہر نکل کر زوردار حملہ کیا ان کی صفیں چیرتے ہوئے، مجاہدین دوسرے محلے میں پہنچ گئے جہاں بھارتی فوج کا کوئی سپاہی نظر نہیں آرہا تھا، اسی اثناء میں ایک دیوار کو پھلانگنے کا مرحلہ آیا، سب مجاہدین دیوار پھلانگ کر نکل گئے کمانڈر طارق الاسلام بھی اس میں کامیاب ہوئے لیکن دیوار

چڑھتے ہوئے ان کا وائرلیس سیٹ ہاتھ سے گر گیا وہ دوبارہ اسے اٹھانے کے لئے دیوار سے کود ے، سیٹ اٹھایا اور دیوار پر دوبارہ چڑھنے لگے اس دوران بھارتی فوج کی ایک ٹولی جو ان کا پیچھا کر رہی تھی نزدیک پہنچی، انہوں نے کمانڈر

طارق الاسلام پر فائرنگ کی اور کئی گولیاں ان کے جسم میں پیوست ہوئیں، اور آپ نے جام شہادت نوش کر لیا۔ کمانڈر طارق الاسلام کو وہ منزل مل گئی جس کی چاہ لے کر وہ اس راہ میں نکل پڑے تھے۔ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے جو عہد انہوں کیا وہ عہد وفا ہوا۔ شہادت کے بعد بھی بھارتی فوجی ان سے

اتنے خوف زدہ تھے کہ اپنا غصہ نکالنے کے لئے انہوں نے شہید کمانڈر طارق الاسلام کے جسد خاکی کی بے حرمتی کرنا شروع کر دی، ان کی لاش کو رسیوں سے ون ٹن فوجی گاڑی کے پیچھے باندھ کر سڑک پر گھسیٹا گیا، جس سے لاش چھلنی ہوگئی۔ شہید کا جسد خاکی جب پلہالن پہنچا تو اس کے استقبال اور دیدار کے لیے لوگوں کا ایک بڑا ہجوم موجود تھا۔ اس ہجوم میں مرد و زن، بچے اور بزرگ سب شامل تھے۔ شہید کمانڈر کی گولیوں سے چھلنی لاش کا تصور ذہن میں اُبھرتا ہے کہ جب شہید طارق الاسلام اللہ تعالیٰ کے حضور اسی حالت میں پیش کیا جائے گا، اور اس کے زخموں سے خون بہہ رہا ہوگا، تو جب اس سے پوچھا جائے گا کہ تیرا یہ حال کیسے ہوا؟ تو شہید عرض کرے گا:

”یا الٰہی! ہمارا یہ حال تیری راہ میں، تیری رضا کے لیے ہوا ہے۔“ اللہ تعالیٰ اس عظیم کمانڈر کی بے مثال قربانی کو قبول فرمائے۔ آمین

آپ نے پوچھا ہے!!!...

نماز سے قبل صفوں کی درستگی کے حوالے سے امام کا اعلان کرنا اقامت سے پہلے کہنا درست ہے یا اقامت کے بعد

سوال: نماز کے وقت اقامت سے پہلے یا اقامت کے بعد صفیں درست کروانے کے لیے عربی عبارت یا اردو میں صفیں درست کروانا کا کہنا اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: اقامت شروع ہونے سے قبل اور اقامت کے بعد تکبیر تحریمہ سے قبل، دونوں طرح صفیں درست کرنے یا صفیں درست کروانے کے لیے عربی یا مقامی زبان میں کچھ کلمات کہنا جائز ہے، البتہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ کریم ﷺ اور صحابہ کرام اقامت کے بعد تکبیر تحریمہ سے قبل صفوں کی درستگی کا حکم دیتے تھے۔حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ نماز قائم کی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا چہرہ انور ہماری طرف کرکے فرمایا : تم لوگ اپنی صفوں کو درست کرلو اور مل کر کھڑے ہو؛ اس لیے کہ میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری صفوں کو درست فرمایا کرتے تھے، ایک مرتبہ آپ ﷺ نکلے تو آپ ﷺ نے ایک شخص کو دیکھا، اس کا سینہ صف سے آگے بڑھا ہوا تھا آپ ﷺ نے فرمایا تم اپنی صفوں کو سیدھا کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ پھوٹ ڈال دے گا تمہارے دلوں میں ۔صفوں کو سیدھا کرنا نماز کو پورا کرنے میں شامل ہے. سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے رویت ہے کہ وہ ایک آدمی کو صفیں سیدھی کرنے کے لیے مقرر کرتے تھے اور اس وقت تک تکبیر نہ کہتے جب تک انہیں بتانہ دیا جاتا کہ صفیں سیدھی ہوگئی ہیں۔حضرت علی اور عثمان رضی اللہ عنہما سے رویت ہے کہ وہ دونوں بھی یہی کام کرتے اور فرمایا کرتے : برابر ہوجاؤ۔ اور حضرت علی فرمایا کرتے : اے فلاں آگے ہوجاؤ! اے فلاں پیچھے ہوجاؤ سیدنا عثمان ابن عفان رضیہ اللہ عنہ خطبہ جمعہ یا عیدین کے موقع پہ فرمایا کرتے تھے۔۔۔اے لوگو! جب امام کھڑا ہو خطبہ کے لیے تو سنو خطبہ کو اور چپ رہو کیوں کہ جو شخص چپ رہے گا اور خطبہ اس کو نہ سنائی دے گا اس کو بھی اتنا ہی اجر ملے گا جتنا اس شخص کو ملے گا جو چپ رہے اور خطبہ اس کو سنا دے۔ اور جب تکبیر ہو نماز کی تو برابر کرو صفوں کو اور برابر کرو مونڈھوں کو کیوں کہ صفیں برابر کرنا نماز کا تتمہ ہے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس وقت تک تکبیر تحریمہ نہیں کہتے تھے جب تک کہ وہ لوگ صفیں درست ہونے کی خبر نہ دے دیتے جنہیں آپ رضی اللہ عنہ نے صفیں درست کروانے پر مقرر کیا ہوا تھا، چناں چہ جب وہ خبر دیتے اس وقت آپ تکبیر تحریمہ کہتے تھے۔

مردوں کو ہلدی یا مہندی لگوانے کے حوالے سے کیا حکم ہے

سوال: مردوں کو مہندی لگانا یا ہلدی لگانا اور اس طرح کی رسومات کا انتظام کرنا اور مردوں کے ہاتھوں پر مہندی یا ہلدی لگانا کیسا ہے؟ اور شادی کے مواقع پہ مہندی کا اہتمام کرنا؟

جواب: صورت مسئولہ میں مردوں کو مہندی یا ہلدی لگانا جائز نہیں ہے، کیوں کہ اس میں عورتوں کے ساتھ مشابہت ہے، جب کہ رسول اللہ ﷺ نے مردوں کو عورتوں کی مشابہت اختیار کرنے سے اور عورتوں کو مردوں کی مشابہت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے، اسی طرح لڑکی کو مہندی یا ہلدی لگانا تو بُرائی نہیں، لیکن اس کے لیے تقریبات منعقد کرنا اور لوگوں کو دعوتیں دینا، جوان لڑکوں اور لڑکیوں کا شوخ رنگ کے لباس پہن کر ایک دُوسرے کے سامنے جانا بے شرمی و بے حیائی ہے، ہلدی کی رسم جن لوازمات کے ساتھ ادا کی جاتی ہے، یہ بھی جاہلیت کی رسم ہے، نیز ان رسموں میں کس قدر مال خرچ کیا جاتا ہے جب کہ قرآنِ کریم میں اسراف وتبذیر کی صراحۃً ممانعت وارد ہے ۔لہٰذا شادی کے موقع پر مردوں کو مہندی لگانا جائز نہیں ہے، اور عورتوں کو شادی کے موقع پر مہندی لگانا ایک رسم بن چکی ہے، جسے اُبٹن کی رسم کہا جاتا ہے ،لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ان عورتوں پر جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں اور (لعنت فرمائی) ان مردوں پر جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے۔۔۔اور (اپنے مال کو فضول اور بے موقع مت اُڑاؤ ، یقیناً بے جا اُڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہیں، اور شیطان اپنے رب کا ناشکرا ہے۔(بیان القرآن)

شادی کے مواقع پہ دلہن کو اعتکاف بٹھانا

سوال: ہمارے علاقے سکھر میں شادی کے مواقع پہ دلہن کو ایک کمرے میں بٹھا دیا جاتا ہے جس کے بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟

جواب: ہمارے معاشرے میں ایک رسم ہے جسے ”مایوں بٹھانا“ کہتے ہیں۔اس میں دلہن کو الگ کمرے میں بٹھا دیا جاتا ہے اور رشتہ دار عورتیں جمع ہو کر مختلف رسمیں کرتی ہیں، جیسے دلہن کو ابٹن لگانا، مٹھائیاں بانٹنا وغیرہ۔ یہ رسم اسلامی نہیں بلکہ ہندوانہ (غیر اسلامی) رسموں سے لی گئی ہے۔اس میں بہت سی ایسی باتیں شامل ہوتی ہیں جو شریعت کے مطابق ضروری نہیں، لیکن لوگ ان کو لازمی سمجھتے ہیں، جو غلط ہے۔اسی طرح شادی سے پہلے مہندی اور دیگر رسومات بھی اسی طرح کی غیر ضروری پابندیوں اور رسموں پر مشتمل ہوتی ہیں۔ان مواقع پر عورتوں کا بے جا اجتماع بھی ہوتا ہے، جس میں بعض اوقات بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ایسی رسمیں جن کی بنیاد شریعت میں نہ ہو اور جنہیں لازمی سمجھ لیا جائے، ان سے بچنا چاہیے۔شادی سادہ اور اسلامی طریقے سے ہونی چاہیے، نہ کہ غیر ضروری رسموں کے ساتھ

سوال: شادی سے کچھ دن پہلے لڑکے کو مہندی لگاتے ہیں اور ابٹن لگاتے ہیں؟

جواب : یہ رسم خلاف شرع ہے، اس کو بند کرنا لازم ہے۔

سوال: مہندی لگانا اور اس کی رسم کا شرعی حکم کیا ہے۔مارے ہاں یہ قدیم دستور چلا آرہا ہے کہ شادی کے موقع پہ دلہن کو پھول پہناتے ہیں اور اسے مہندی لگائی جاتی ہے، ساتھ دوسری لڑکیاں بھی مہندی لگاتی ہیں، کیا عورتوں کے لیے مہندی لگانا اور پھول

پہننا سنت ہے؟

جواب: عورتوں کے لیے مہندی لگانا مستحب ہے، مگر آج کل جو مہندی کی رسم کا دستور ہے کہ دوسری عورتوں کا بھی بڑا مجمع لگ جاتا ہے، یہ کئی مفاسد کا مجموعہ ہے،

سوال: کسی لڑکے نے سنجیدگی کے ساتھ اپنی کزن سے سے کہا تم میرے بیوی ہو اور آئندہ بھی ہوگی اور وہ بھی کہہ دے تو کیا نکاح ہوگیا ہے

جواب: نکاح کے صحیح ہونے کی بنیادی شرائط یہ ہیں کہ مرد و عورت خود یا ان کے وکیل نکاح کی مجلس میں شرعی گواہوں کی موجودگی میں نکاح کا ایجاب وقبول کرلیں، مثلاً عورت کہے کہ : "میں نے اپنے آپ کو تمہارے نکاح میں دے دیا" اور مرد کہے کہ : "میں نے تمہیں اپنے نکاح میں قبول کرلیا"، اور مرد اور عورت یا ان کے وکیل کے اس ایجاب وقبول کو دو مسلمان عاقل بالغ مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں اسی مجلس میں سن لیں۔ حاصل یہ ہے کہ نکاح کی مجلس میں ایجاب قبول کا ہونا اور اس کو شرعی گواہوں کا اسی مجلس میں سننا نکاح کی بنیادی شرائط ہیں، نیز نکاح میں مہر کا ہونا بھی ضروری ہے، البتہ اگر مجلس نکاح میں مہر متعین نہ ہوا ہو تب بھی نکاح ہوجائے گا اور مہر ذمے میں لازم ہوگا۔ نیز یہ ملحوظ رہے کہ شریعتِ مطہرہ میں گواہوں کی موجودگی میں اعلانیہ نکاح کرنے کا حکم ہے، اسی وجہ سے مسجد میں نکاح کرنا اور ایسے وقت نکاح کرنا پسندیدہ ہے کہ جب مجمع زیادہ ہو، مثلاً جمعہ کے دن پسندیدہ ہے اور چھپ چھپا کر نکاح کرنا شرعاً پسندیدہ نہیں ہے، اگرچہ نکاح کی شرائط اور دو گواہوں کی موجودگی میں نکاح منعقد ہوجاتا ہے۔

<u>کیا زکوٰۃ کے واجب ہونے کے لیے سونے کے ساتھ نقدی پر بھی سال مکمل ہونے شرط ہے؟</u>

سوال: میرے پاس تقریباً 3 تولے سونا ہے اور کچھ نقدی بھی ہے۔ سونے پر تو سال گزر چکا ہے، لیکن نقدی ہر مہینے جمع ہوتی ہے، اس پر سال نہیں گزرا۔ زکوٰۃ کیسے دینی ہوگی؟

جواب: جس دن آپ کے پاس پہلی بار اتنی رقم آئی کہ آپ صاحبِ نصاب بن گئیں، اسی دن سے زکوٰۃ کا سال شروع ہوجاتا ہے۔ اگر اس دن کے بعد ایک قمری سال (اسلامی سال) گزر چکا ہے، تو آپ پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اگر ابھی سال پورا نہیں ہوا، تو زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ زکوٰۃ دینے کا طریقہ: اپنے سونے کی موجودہ قیمت معلوم کریں۔ اس میں اپنی ساری نقدی (چاہے وہ بعد میں جمع ہوئی ہو) شامل کرلیں۔ پھر کل رقم کا 2.5 (ڈھائی فیصد) زکوٰۃ ادا کریں۔ اہم بات: ہر مہینے جمع ہونے والی رقم پر الگ الگ سال گننے کی ضرورت نہیں ہے۔ جب آپ پہلی بار صاحبِ نصاب بنیں، اسی تاریخ سے ہر سال زکوٰۃ کا حساب ہوگا، اور بعد میں آنے والی رقم بھی اسی میں شامل ہوگی۔ ایک ہی تاریخ مقرر کریں (جب آپ صاحبِ نصاب بنیں)، اور ہر سال اسی دن اپنی کل رقم اور سونے پر 2.5٪ زکوٰۃ ادا کریں۔

سوال: فاسق اور فاجر میں کیا فرق ہے؟

جواب: "فاسق" اس شخص کو کہتے ہیں جو ایمان لانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں ملوث رہے، شریعت کے بعض یا تمام احکامات کو پس پشت ڈال کر عملی کوتاہی کرے، اور جو کبائر (بڑے گناہوں) کا مرتکب ہو یا صغائر پر اصرار کرتا ہو۔ اور فاجر سے مراد یہ ہے کہ وہ خلافِ شرع کاموں میں مبتلا ہوکر توبہ کا ارادہ کرتے ہوئے بھی توبہ نہ کرے۔ انجام کے اعتبار سے فاسق وفاجر معنی میں قریب قریب ہیں۔

<u>عاقل بالغ لڑکی کا نکاح کا حکم</u>

سوال: عاقل بالغ لڑکی کے نکاح والدین بغیر منکوحہ کی اجازت کا شرعا حکم کیا ہے

جواب: جیسے بالغہ لڑکی کو معلوم ہوا نکاح کردیا ہے ناراض ہو جائے تو نکاح نہیں ہوگا۔ عاقلہ بالغہ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت اور رضامندی کے بغیر جائز نہیں اگر لڑکی کی اجازت اور رضا مندی کے بغیر لڑکی کا نکاح لڑکی کا باپ کسی جگہ کردے تو وہ نکاح لڑکی کی اجازت اور رضامندی پر موقوف رہتا ہے۔ اگر لڑکی اس نکاح پر رضامند ہوجائے تو نکاح صحیح ہوجاتا ہے اور اگر لڑکی اس نکاح پر رضامند نہ ہو تو وہ نکاح باطل ہو جاتا ہے۔ لڑکی کی رضامندی کے بغیر کیا ہوا نکاح تب باطل ہوگا جب لڑکی نے ظاہری رضامندی کا بھی اظہار نہ کیا ہو بلکہ انکار کیا ہو اور اگر لڑکی نے ظاہری رضامندی کا اظہار کردیا ہو

سوال: بعض علاقہ میں لڑکیوں کو پتہ تک نہیں ہوتا اور والدین اُن کا نکاح کرا چکے ہوتے ہیں، کیا بالغ لڑکی کا نکاح اس کا باپ بغیر اس کی اجازت کے کرسکتا ہے؟

جواب: شریعت اسلامیہ نے بالغہ لڑکی کو اپنے نفس کا فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہے اس لیے اگر کسی نے اس کی اجازت کے بغیر نکاح کرادیا تو وہ نکاح اس کی اجازت پر موقوف ہوگا اگر وہ اجازت دے اور رضامندی کا اظہار کرے تو درست ہے ورنہ نہیں

03005259116
Taibahfoundation1@gmail.com

صاحب سے آپ اس نمبر اور ای میل پر رابطہ کرسکتے ہیں

انتقال پُرملال ماہ مارچ 2026

عامر نذیر ساکن ترال کے (والد) مقبوضہ کشمیر میں وفات پا گئے، شبیر الٰہی ساکن زینہ گیر کے (والد) مقبوضہ کشمیر میں وفات پا گئے، جانباز بشیر ساکن فرصل کولگام کی (والدہ) مقبوضہ کشمیر میں وفات پا گئی، محمد اظہر ساکن سرینگر کی (والدہ) مقبوضہ کشمیر میں وفات پا گئی

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے۔۔آمین

قارئین سے گزارش ہے کہ مرحومین کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں

نظام اور فکر مودودیؒ

شاہنواز فاروقی

حق و باطل اسلام کی بنیادی اصطلاحیں ہیں، لیکن نبی اکرمؐ کے زمانہ مبارک سے آج تک یہ کبھی مجرّد یا Abstract نہیں رہیں۔ حق و باطل کا کوئی مفہوم ہوتا ہے۔ تشخص ہوتا ہے۔ ان کے اجمال کی کوئی تفصیل ہوتی ہے۔ حق و باطل کو اجمال میں پہچاننا اور سمجھنا بھی ضروری ہوتا ہے اور تفصیل میں بھی۔ اس کے بغیر انسان کی آگہی مکمل نہیں ہوتی۔ مگر حق و باطل کو تفصیل میں پہچاننا اور سمجھنا کیوں ضروری ہوتا ہے؟۔ باطل کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ حق کا التباس یا Illusion پیدا کرتا ہے۔ وہ صورتیں بدلنے کی بے پناہ اہلیت رکھتا ہے۔ چناں چہ ممکن ہے کہ ہم خیال، تصور یا Idea کی سطح پر تو اسے پہچانتے اور سمجھتے ہوں مگر جب وہ کوئی اور صورت اختیار کرے تو ہم اسے پہچان اور سمجھ نہ سکیں، پھر انسان کا مسئلہ یہ بھی ہے کہ وہ تصور، خیال بالخصوص صورت کا عادی بھی ہو جاتا ہے۔ چناں چہ صورت بدلتی ہے تو تفہیم کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ مسئلہ اتنا بڑا اور اہم ہے کہ رسول اکرمؐ نے وہ دعا تعلیم فرمائی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اے اللہ مجھے چیزیں ویسی دکھا جیسی کہ وہ ہیں۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ جو لوگ حق و باطل کی اصطلاحوں کو مجرد معنوں میں ان کا تشخص واضح کیے بغیر استعمال کرتے ہیں وہ شعوری یا لاشعوری طور پر یہ چاہتے ہیں کہ امت مسلمہ ان کے فہم سے محروم رہے اور جو مقامی و بین الاقوامی کشمکش برپا ہے ہم اس سے الگ رہیں اور مزے کریں۔ یعنی

رند کے رند رہیں اور ہاتھ سے جنت بھی نہ جائے۔

رسول اکرمؐ کے زمانہ مبارک میں حق و باطل کی پہچان آسان تھی۔ آپؐ نے جس کو حق کہا وہ حق تھا جس کو باطل کہا وہ باطل تھا۔ خیال کی سطح پر بھی اور صورت کی سطح پر بھی۔ صحابہ کرامؓ کے زمانے میں بھی یہ معاملات واضح تھے لیکن ہم جیسے جیسے ان مبارک ادوار سے دور ہوتے چلے گئے ان امور کی پہچان اور تفہیم مشکل ہوتی چلی گئی۔ خاص طور پر صورت کی سطح پر۔ اب اس گفتگو کا رسول اکرمؐ کے عہد مبارک اور ہمارے زمانے سے گہرا تعلق ہے۔ جسے ہمارے انفرادی اور اجتماعی شعور کا حصہ ہونا چاہیے۔

اگرچہ رسول اکرمؐ کے زمانے میں بھی باطل نے اپنی صورتیں اور اپنا نظام پیدا کیا ہوا تھا لیکن اس عہد میں باطل عقیدے، خیال، تصور یا Idea کی سطح زیادہ موثر، پرکشش اور خطرناک تھا اور نظام کی سطح پر کم۔ چناں چہ اس وقت باطل خیال کی سطح پر زیادہ پہچانا جاتا تھا۔ اس عہد میں اس کا نظام پس منظر میں رہتا تھا۔ کم از کم عالم عرب میں اس کی یہی صورت تھی۔ البتہ قیصر و کسریٰ تک آتے آتے نظام بھی ہمیں نمایاں طور پر نظر آنے لگتا ہے مگر یہاں بھی باطل کے خیال کا غلبہ زیادہ ہے۔

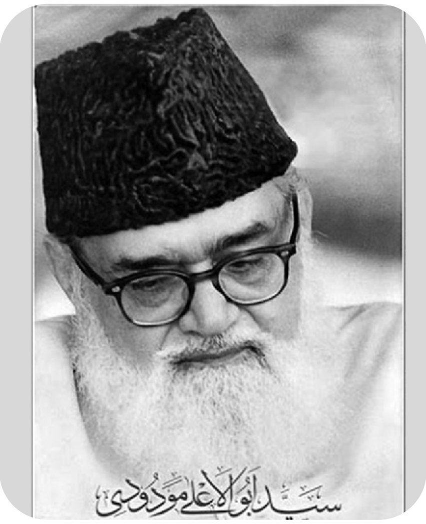

امام غزالیؒ ہماری تاریخ کی عظیم ترین شخصیات میں شامل ہیں اور ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے یونان کی باطل فکر کا رد لکھ کر امت مسلمہ کو اس کے بھیانک اثرات سے بچالیا۔ اس کارنامے کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ لیکن ہمیں نہیں بھولنا چاہیے یونانی فکر کا یہ چیلنج جو کچھ بھی تھا ایک فکری اور ذہنی تشکیل یا mental Construct کے سوا کچھ نہ تھا۔ اس فکر کے ساتھ کوئی نظام نہیں آیا تھا۔ گو یہ فکر اپنا نظام پیدا کر سکتی تھی۔ البتہ اسلام جیسے ہی جدید مغربی فکر کے مقابل آتا ہے ہم ایک نئی صورت حال سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ اب ہمارے سامنے صرف ایک فکر نہیں ہے بلکہ ایک بہت بڑا نظام بھی ہے۔ ایسا نظام جس کے اجزا بجائے خود نظام کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جمہوری نظام، معاشی نظام، علمی نظام، مالیاتی نظام، ابلاغی نظام...... اور ان تمام نظاموں کے باہم مربوط ہونے سے ایک بہت ہی بڑا نظام وجود میں آتا ہے۔ اس نظام کا اپنی فکر یا اپنے Idea سے عجیب رشتہ ہے اور وہ یہ کہ Idea پس منظر میں چلا گیا ہے اور نظام اصل بن کر کھڑا ہو گیا ہے۔ اس سے مسلم فکریات میں جو بڑے بڑے مسائل پیدا ہوتے ہیں ان کا اندازہ بھی دشوار ہے۔ مثال کے طور پر اول تو ہم جدید مغربی فکر کو خیال یا نظری سطح پر بھی پوری طرح رد نہیں کر سکے اور اگر کہیں بڑی حد تک فکر رد ہو گئی ہے تو نظام بہر حال باقی رہ جاتا ہے۔ فکر رد ہو گئی اس کا پیدا کردہ نظام باقی رہ گیا۔ یعنی آدھا کام ہوا اور آدھا نہیں ہوا۔ چوں کہ فکر پس منظر میں چلی گئی اور نظام سامنے آ گیا۔ چناں چہ اس سے ہماری فکر میں دو مسائل پیدا ہوئے۔ ایک تو یہ کہ ہم فکر کو دیکھنے اور جاننے کی کوشش ہی نہیں کرتے۔ ہم صرف نظام کو دیکھتے ہیں اور نظام کی ظاہری چمک دمک ہماری نظروں کو خیرہ کرتی ہے اور اقبال کو تنگ آ کر کہنا پڑتا ہے۔

تو نے کیا دیکھا نہیں یورپ کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر

رسول اکرمؐ کے زمانہ مبارک میں حق و باطل کی پہچان آسان تھی۔ آپؐ نے جس کو حق کہا وہ حق تھا جس کو باطل کہا وہ باطل تھا۔ خیال کی سطح پر بھی اور صورت کی سطح پر بھی۔ صحابہ کرامؓ کے زمانے میں بھی یہ معاملات واضح تھے لیکن ہم جیسے جیسے ان مبارک ادوار سے دور ہوتے چلے گئے ان امور کی پہچان اور تفہیم مشکل ہوتی چلی گئی۔ خاص طور پر صورت کی سطح پر۔ اب اس گفتگو کا رسول اکرمؐ کے عہد مبارک اور ہمارے زمانے سے گہرا تعلق ہے۔ جسے ہمارے انفرادی اور اجتماعی شعور کا حصہ ہونا چاہیے۔

اس سے دوسرا مسئلہ یہ پیدا ہوا کہ ہم فکر اور نظام کو الگ الگ سمجھنے لگے اور مغرب سے ہمارے تعلق کی یہ صورت بنی کہ اس کی فکر بری ہے نظام اچھا ہے۔ یہ تعبیر انتہائی غیر عقلی اور غیر منطقی ہے مگر رائج بھی ہے اور مقبول بھی۔ لیکن غور تو کیجیے لفظ نظام سے آپ کے ذہن میں کیا آتا ہے؟ یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ آپ کے ذہن میں نظام کی جو تصویر ہے وہ اصل کی پاسنگ بھی نہیں۔ مغرب کا ''نظام'' ایک بہت ہی بڑا زندہ، خودکار، خودکفیل، خودمختار، ہمہ گیر، ہم جہت، ہمہ پہلو بندوجود ہے اور اس سے جو خصوصیت منسوب کردی جائے کم ہے۔ اہل مغرب کہتے نہیں ہیں مگر یہ معاذ اللہ تقریباً خدا کا تصور ہے۔ گویا مغرب کا نظام، نظام نہیں غیر اعلانیہ خدا ہے۔ بلاشبہ اسے بنایا تو انسانوں نے تھا مگر اب یہ انسانوں کے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ سرمایہ، سائنس اور ٹیکنالوجی کی تثلیث نے اس کی قوت اتنی بڑھادی ہے کہ اس نے ایک سیارے کی طرح اپنا مدار پیدا کرلیا ہے۔ یہاں تک کہ اس نے اپنی کشش ثقل، اپنے قوانین وضوابط، اپنی حرکیات یا Dynamics پیدا کرلی ہیں۔ اب یہ انسان پر حکم چلا رہا ہے۔ اسے Dictate کررہا ہے اور اس سے مکمل اطاعت کا طالب ہے۔ جو چیز اس نظام سے باہر ہے اس کا وجود ہی نہیں۔ جو اس نظام کا انکاری ہے وہ گویا کافر ہے۔ جو اس کے ساتھ برابری کرنا چاہتا ہے وہ مشرک ہے اور اس کے جو ناقدین ہیں وہ یا تو منافقین ہیں یا پاگل۔ نبوت اور رسالت کی تاریخ کے تناظر میں بات کی جائے تو اس نظام میں نمرودیت بھی ہے اور فرعونیت بھی۔ اس میں شدادیت کے آثار بھی پائے جاتے ہیں اور بولہبی کے مظاہر بھی۔ گویا سیدنا آدمؑ سے لے کر رسول اکرمؐ کی رسالت تک گمراہی اور ضلالت کی جتنی بڑی شکلیں پیدا ہوئی ہیں وہ سب اس نظام میں جمع ہوگئی ہیں۔ اس صورت حال کی جو مذہبی یا مابعدالطبیعاتی دلیل ہمارے ذہن میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ نبی اکرمؐ خاتم النبیین ہیں۔ آپ پر دین کی تکمیل ہوگئی۔ آپ انسان کامل، محبوب خدا اور سردارالانبیا ہیں۔ چناں چہ آپؐ پر نازل ہونے والی کتاب اور آپؐ کی سیرت طیبہ کا نمونہ پوری انسانی تاریخ کو سمیٹ کر اس میں مرکزی حوالہ ہوگی اور باطل کی تاریخ کے سارے چیلنج آپؐ کی امت کے مقابل یکجا ہوجائیں گے۔

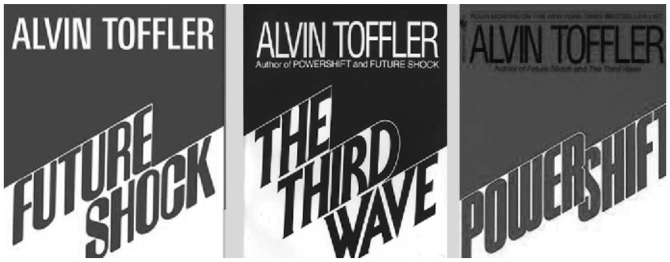

اس سلسلے میں پہلے سے موجود مذہبی دلائل کو بھی ذہن میں تازہ کرلینا چاہیے۔

انسانوں میں سب سے زیادہ شدائد سے جو لوگ گزرے ہیں اور جنہیں سب سے بڑا چیلنج درپیش ہوا ہے وہ انبیا و مرسلین ہیں۔ اور نبیوں میں سب سے زیادہ شدائد نبی اکرمؐ پر گزرے اور سب سے بڑے امتحانات اور چیلنج بھی آپؐ کے سامنے آئے۔ اس لیے کہ آپؐ سردارالانبیا اور خاتم النبیین ہیں۔ احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ دجال سے بڑا چیلنج کسی امت کو درپیش نہیں ہوا اور یہ چیلنج صرف امت مسلمہ کو لاحق ہوگا۔ یہ ایک سامنے کی بات ہے کہ انسان کا باطن خارج پر اثر انداز ہوتا ہے اور خارج باطن کو متاثر کرتا ہے۔ پوری مذہبی تاریخ میں یہ بات اسی طرح بیان بھی ہوئی ہے اور اسی طرح سمجھی بھی گئی ہے۔ یہ بھی واضح بات ہے کہ باطن اور خارج میں عدم توازن پیدا ہوتا رہا ہے، ہورہا ہے اور ہوتا رہے گا لیکن مغرب کے نظام نے جو عدم توازن پیدا کیا ہے پوری انسانی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ مغربی مفکرین، دانش وروں، شاعروں اور ادیبوں کی کتب اس عدم توازن اس کے مظاہر اور ان کے نتائج سے بھری پڑی ہیں۔ محمد حسن عسکری نے اس ابتری کو ادبی تناظر میں تین نکات میں سمیٹا ہے۔ نٹشے نے کہا (۱) خدا مرگیا (۲) مارلو نے کہا انسان مرگیا (۳) لارنس نے کہا انسانی تعلقات کا ادب مرگیا۔ ٹوائن بی صاحب چلا رہے ہیں کہ مغربی تہذیب مررہی ہے اور اس کی وجہ ٹیکنالوجی سے اس کا عشق ہے۔ ایلون ٹوفلر نے 20 سال میں تین کتب تحریر کیں۔ Future Shock

,Third Wave Power Shift

یہ تین کتب کم و بیش 1500 صفحات پر مشتمل ہیں۔ یہ کتب مغرب کے انحرافات کی شہادتوں سے بھری پڑی ہیں۔ ٹوفلر نے صاف کہا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی قوت انسانوں کے ہاتھ سے نکل کر انجانی سمت میں دوڑ رہی ہے۔ مغرب ایک ایسی ریل گاڑی ہے جس کا حادثے سے دوچار ہونا یقینی ہے۔ لیکن اتنی اہم بات کہنے والے ٹوفلر نے فرمایا ہے کہ یہ بحران سائنس اور ٹیکنالوجی نے پیدا کیا ہے اور وہی اس بحران سے مغرب کو نکالیں گے۔ اس سلسلے میں مغرب کو مذہب کی مدد کی ضرورت نہیں۔ یہ ہے مغرب کا اصل باطن۔ لیکن گفتگو کے اختتام پر مولانا مودودیؒ کا ذکر خیر۔

مولانا ہمارے پہلے مفکر ہیں جن کے یہاں نظام کے تصور اور اس کی تبدیلی پر اصرار نظر آیا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ تعریف کرنے والے اس حوالے سے مولانا کی تعریف کرتے ہیں اور تنقید کرنے والے کہتے ہیں کہ یہ مولانا کی فکر کا نقص ہے۔ لیکن دعوے کی دلیل نہ یہاں سے آتی ہے نہ وہاں سے آتی ہے بلکہ اب تو سننے میں آرہا ہے کہ مولانا ساختیاتی یا Structuraust مفکر ہیں۔ ہمیں نہیں معلوم کہ اس بات کا مفہوم کیا ہے مگر زیر بحث موضوع کے حوالے سے کہا جاسکتا ہے کہ نظام پر حملہ مولانا مودودیؒ کا اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ توفیق الٰہی کے بغیر جس کا ظہور ناممکن ہے۔ آخر اسلام کی فکر ایسے کسی نظام کو کیسے قبول کرسکتی ہے کہ جو اعلان کے بغیر خدائی صفات کا دعوے دار نظر آتا ہو اور جس کی قوت کا یہ عالم ہو کہ وہ اپنی بقا اور نشوونما کے لیے اپنی فکر سے بے نیاز ہو کر خودمختار، خودکفیل اور خودمکتفی ہوگیا ہو۔ یہ نظام اتنا خودمختار ہے کہ لوگ چلّا رہے ہیں کہ جناب آپ تو آزادی کے تصور کے قائل ہیں۔ مساوات کے قائل ہیں مگر آپ جو کچھ کررہے ہیں ان تصورات کی ضد ہے۔ لیکن چیخنے اور چلانے والوں کو معلوم نہیں کہ اس نظام کی قوت اتنی بڑھ گئی ہے کہ اب یہ انسانوں کی فکر اور اہداف کا تعین کررہا ہے۔ یہ انسانوں کی خوش فہمی ہے کہ وہ آزادی سے سوچ رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ لوگ وہی کچھ سوچ رہے ہیں جو نظام چاہتا ہے کہ وہ سوچیں۔ اس نظام کے جادو کے سامنے سامری کی سامریت کچھ بھی نہیں۔ بہرحال اس گفتگو سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ نظام اور اس کی تبدیلی کی بحث کتنی اہم اور بنیادی ہے اور اس حوالے سے فکر مودودیؒ کی کیا اہمیت ہے۔

تاریخ خود کو دہراتی ہے

امجد فاروقی

اگر آپ بوسنیا کو نہیں سمجھتے، تو آپ غزہ کو بھی نہیں سمجھیں گے، پہلے بوسنیا کو سمجھیں تا کہ آپ غزہ اور وہاں جو کچھ ہو رہا ہے، اسے سمجھ سکیں، اور حیران نہ ہوں......!

صربوں نے بوسنیا کے مسلمانوں کے خلاف نسل کشی کی جنگ چھیڑی، جس میں 3 لاکھ مسلمان شہید ہوئے۔ 60 ہزار خواتین اور بچیوں کی عصمت دری کی گئی۔ 15 لاکھ مسلمانوں کو بے گھر کر

دیا گیا۔کیا ہمیں یہ سب یاد ہے؟ یا ہم اسے بھول چکے ہیں؟ یا ہم نے اس کے بارے میں کبھی کچھ سنا ہی نہیں؟ سی این این کے ایک اینکر نے بوسنیا کے قتل عام کی برسی پر معروف رپورٹر کرسٹیانا امانپور سے سوال کیا۔۔کیا تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے؟ کرسٹیانا امانپور نے جواب دیا: یہ قرون وسطیٰ کی جنگ تھی مسلمانوں کا قتل، محاصرہ اور ان کو بھوک کا شکار کیا جانا، اور یورپ نے مداخلت کرنے سے انکار کر دیا۔

وہ کہتے رہے کہ یہ ایک خانہ جنگی ہے، جو کہ سراسر جھوٹ تھا! یہ ہولوکاسٹ تقریباً 4 سال جاری رہا۔صربوں نے 800 سے زائد مساجد تباہ کر دیں، جن میں سے کچھ کا تعلق 16 ویں صدی سے تھا۔انہوں نے سرائیوو کی تاریخی لائبریری جلا دی۔

اقوام متحدہ نے مسلمانوں کے شہروں میں حفاظتی دروازے نصب کیے، لیکن وہ صرف دکھاوا تھا۔صربوں نے ہزاروں مسلمانوں کو حراستی کیمپوں میں ڈال کر بھوکا پیاسا رکھا، یہاں تک کہ وہ ہڈیوں کے ڈھانچے بن گئے ایک صربی کمانڈر سے پوچھا گیا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟

اس نے کہا: کیونکہ یہ سور کا گوشت نہیں کھاتے! گارڈین اخبار نے ان دنوں بوسنیا کے عصمت دری کیمپوں کا نقشہ شائع کیا، جن کی تعداد 17 تھی، کچھ تو صربیا کے اندر ہی قائم کیے گئے تھے۔صربوں نے بچوں تک کو نہیں بخشا بی ایک 4 سالہ بچی کے بارے میں گارڈین نے خبر شائع کی.. وہ بچی جس کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ مسلمان تھی! قصاب ملادیچ نے مسلمانوں کے ایک رہنما کو بلایا، اسے سگریٹ پیش کی، چند لمحے قہقہے لگائے، اور پھر بے دردی سے قتل کر دیا۔سربنیتسا کا قتل عام تاریخ کا ایک خوفناک سانحہ تھا۔بین الاقوامی فوجی، جو وہاں حفاظت کے لیے تعینات تھے، صربوں کے ساتھ جشن مناتے، رقص کرتے، اور بعض نے مسلمان خواتین کی عزت کا سودا خوراک کے بدلے کیا۔سربنیتسا کی المناک کہانی۔۔دو سال تک محاصرہ جاری رہا، مسلسل گولہ باری ہوتی رہی۔یورپ نے بالآخر شہر کو صربوں کے حوالے کرنے کا فیصلہ کیا۔مسلمانوں کو دھوکہ دیا گیا کہ اگر وہ ہتھیار ڈال دیں، تو انہیں امان ملے گی۔جب انہوں نے ہتھیار ڈالے، صربوں نے 12 ہزار سے زائد مردوں اور لڑکوں کو الگ کیا، سب کو قتل کر دیا، اور ان کی لاشوں کی بے حرمتی کی۔بعض مسلمانوں کی کھال پر گرم لوہے سے آرتھوڈوکس صلیب کی مہر ثبت کی گئی۔ماؤں کے سامنے ان کے بچوں کو ذبح کیا گیا۔جب قتل عام مکمل ہوا، تو قاتل کارادیچ نے اعلان کیا۔۔سربنیتسا ہمیشہ سے صربوں کی تھی، اور اب دوبارہ ہماری ہوگئی ہے!

صربوں نے حاملہ مسلمان خواتین کو قید رکھا تا کہ ان کے بطن سے صربی بچے جنم لیں۔ایک صربی فوجی نے ایک مغربی صحافی سے کہا۔۔ہم چاہتے ہیں کہ مسلمان عورتیں صربی بچوں کو جنم دیں!

30 سال گزر چکے ہیں، لیکن سبق نہیں سیکھا......

ہمیں بوسنیا یاد ہے،

ہمیں غرناطہ یاد ہے،

ہمیں فلسطین یاد ہے

ہم معاف نہیں کریں گے، ہم بھولیں گے نہیں، اور کبھی بھی جھوٹے انسانی حقوق کے نعرے پر یقین نہیں کریں گے!

ایک فرانسیسی اخبار نے بوسنیا کے قتل عام پر لکھا۔۔یہ ایک جدید دور کی جنگ تھی، مگر اسے قرون وسطیٰ کے طریقے سے لڑی گئی! یہ تاریخ بچوں کو سلانے کے لیے نہیں سنائی جاتی، بلکہ مردوں کو جگانے کے لیے سنائی جاتی ہے۔۔اور ایک جنگ اس وقت ایران اسرائیل کے مقابل لڑی جارہی ہے جسمیں اس بار عالمی طاقتوں کو اپنی پسپائی نظر آرہی ہے ،اور وہ مدد رحم کی بھیک مانگ رہیں ہیں۔

آج تاریخ اپنے آپ کو دوہرا تو رہی ہے مگر اس بار جنگ عالمی صلیبیوں، صہیونی طاقتوں نے شروع کی اور پھنس گئے، امت مسلمہ کو متحد اور یکجا ہو کر اس دفعہ اتحاد کا مظاہرہ کرنا ہوگا ورنہ یہ ہمیشہ پِٹتے ہی رہیں گے

میں ترک وزیر اعظم عدنان مندریس ہوں!!!

ابو فاتح ندو

جب مصطفی کمال پاشا نے خلافت کا خاتمہ کیا تو آل عثمان کو راتوں رات گھریلو لباس ہی میں یورپ بھیج دیا گیا۔شاہی خاندان (ملکہ اورشہزادوں) نے التجا کی کہ یورپ کیوں؟ہمیں اردن، مصر یا شام کسی عرب علاقے ہی میں بھیج دیا جائےلیکن یہودی آقاؤں کے احکامات واضح تھے،اپنی آتش انتقام کوٹھنڈا کرنا اوران کو آخری درجے ذلیل کرنا مقصود تھا،چنانچہ کسی کو یونان میں یہودیوں کے مسکن سالونیک اورکسی کو یورپ روانہ کیا گیا،اور آخری عثمانی بادشاہ سلطان وحید الدین اوران کی اہلیہ کو راتوں رات فرانس بھیج دیا گیااوران کی تمام جائیدادیں ضبط کرلی گئیں یہاں تک کہ گھریلو لباس میں خالی جیب اس حال میں انھیں رخصت کیا گیا کہ ایک پائی تک ان کے پاس نہ تھی،کہا جاتا ہے کہ سلطان وحید الدین کے شہزادے منہ چھپا کر پیرس کی گلیوں میں کاسۂ گدائی لیے پھرتے تھے کہ کوئی انھیں پہچان نہ پائے،پھر جب سلطان کی وفات ہوئی تو کلیسا ان کی میت کوکسی کے حوالے کرنے پر آمادہ نہ ہوا کیونکہ دکانداروں کا قرض ان پر چڑھا ہوا تھا۔بالآخر مسلمانوں نے چندہ جمع کرکے سلطان کا قرض ادا کیا اور ان کی میت کو شام روانہ کیا اور وہاں وہ سپرد خاک ہوئے۔بیس سال بعد جنھوں نے سب سے پہلے ان کے بارے میں دریافت کیا اوران کی خبر گیری کی وہ ترکی کے پہلے منتخب وزیر اعظم عدنان مندریس تھے،شاہی خاندان کی تلاش کے لیے وہ فرانس گئے اور وہاں جا کر ان کے احوال وکوائف انھوں نے معلوم کیے،پیرس کے سفر میں وہ کہتے تھے مجھے میرے آباء کا پتہ بتاؤ مجھے میری ماؤں سے ملاؤ،بالآخر وہ پیرس کے ایک چھوٹے سے گاؤں پہنچ کرایک کارخانے میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سلطان عبدالحمید کی زوجہ پچاسی سالہ ملکہ شفیقہ اوران کی بیٹی ساٹھ سالہ شہزادی عائشہ ایک کارخانے میں نہایت معمولی اجرت پر برتن مانجھ رہی ہیں۔یہ دیکھ کر مندریس اپنے آنسو نہ روک سکے اور زاروقطار رو پڑے،پھر ان کا ہاتھ چوم کر کہنے لگے:

مجھے معاف کیجیے مجھے معاف کیجیے!

شہزادی عائشہ نے پوچھا: آپ کون ہیں؟ کہا : میں ترک وزیر اعظم عدنان مندریس ہوں،اتنا سننا تھا کہ وہ بول اٹھیں:اب تک کہاں تھے؟اور خوشی کے مارے بے ہوش ہو کر گر پڑیں،عدنان مندریس جب انقرہ واپس گئے توانہوں نے کمال اتاترک کے دوست اوراس وقت کے ترکی کے صدر جلال بیار

سے کہا کہ میں آل عثمان کے لیے معافی نامہ جاری کرنا چاہتا ہوں،اوراپنی ماؤں کو واپس لانا چاہتا ہوں،بیار نے شروع میں تو اعتراض کیا،مگر مندریس کے مسلسل اصرار پر صرف عورتوں کو واپس لانے کی اجازت دی،پھر عدنان مندریس خود فرانس گئے اور ملکہ شفیقہ اورشہزادی عائشہ دونوں کو فرانس سے ترکی لے آئے،مگر شہزادوں کے لیے معافی نامہ جاری کرکے ان کو اپنے وطن عزیز ترکی لانے کا سہرا مرحوم اربکان کے سر جاتا ہے جب وہ وزیر اعظم کے منصب پر فائز تھے۔پھر جب مندریس پر جھوٹا مقدمہ چلا کر ان کوتختہ دار پر لٹکایا گیا تو منجملہ الزامات کے ساتھ ساتھ دو الزام یہ بھی تھے کہ 1۔انہوں نے 30 سال بعد ترکی میں عربی زبان میں اذان دینے کی اجازت دی جسے کمال اتاترک اور اسکے ساتھیوں نے ترکی میں بند کر دیا تھا۔2۔انھوں نے حکومت کے خزانے سے چوری کرکے سلطان کی اہلیہ اوربیٹی پر خرچ کیا ہے۔اس لیے کہ وہ ہر عید کے موقع پرملکہ اورشہزادی سے ملاقات کے لیے جاتے،ان کے ہاتھ چومتے،اوراپنی جیب خاص اوراپنے ذاتی صرفے سے 10 ہزار لیرہ سالانہ شہزادی عائشہ اور ملکہ شفیقہ کی خدمت میں پیش کرتے تھے۔جب سترہ ستمبر انیس سو اکسٹھ کو عدنان مندریس اور ان کے 4 ساتھیوں کوملٹری کورٹ نے شہید کیا تو دوسرے ہی دن دونوں (ملکہ اور شہزادی) کی بھی بحالت سجود وفات ہوئی۔یہ سلوک ہے ھمارے نام نہاد سیکولرزم کا ڈھنڈورا پیٹنے والوں کا اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ تھا،نہ کوئی مروت نہ شرافت،نہ صلہ رحمی،نہ قرابت داری،نہ اخلاق کا پاس نہ قدروں کا لحاظ.. !یہ جو قومیت اور وطنیت کا راگ الاپتے رہے اور نعرے لگا لگا کر جن کی زبانیں نہیں تھکتی تھیں ان کا مقصد بجز اس کے اور کیا تھا کہ اسلامی اخوت سے لوگوں کا رشتہ کاٹ دیا جائے اوراس مقدس رشتے کے تانے بانے کوبکھیر کراس کو ایسے جاہلی رشتوں میں تبدیل کیا جائے جن میں احترام ذات مفقود ہے اور حرمتوں اور انسانی رشتوں کا کوئی پاس ولحاظ نہیں ہے۔روئے زمین پر موجود شیطان کے چیلوں سے کبھی بے خبر نہ رہنا...!اور ہاں یہ قصے بچوں کو سلانے کے لئے نہیں ہے۔۔۔بلکہ سوتوں کو جگانے اورجواں مردوں کوکمر بستہ کرنے کے لیے ہیں!

اٹھ کہ اب بزم جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دور کا آغاز ہے

مقبوضہ کشمیر کے علاقے کشتواڑ، سندربنی اور نوشہرہ میں مجاہدین اور بھارتی فوج کے درمیان جھڑپیں
کمانڈر سیف اللہ سمیت چار مجاہدین شہید، متعدد اہلکار ہلاک و زخمی

وادی کے مختلف علاقوں میں بھارتی فوج کے چھاپے۔۔۔ 800 سے زائد کشمیری نوجوان گرفتار

18 فروری 2026۔۔بھارتی ریاست راجستھان کے ضلع چتور گڑھ کی میواڑ یونیورسٹی میں زیر تعلیم کشمیری طلباء کو ہندو تواغنڈوں نے بہیمانہ تشدد کا نشانہ بنایا جسکے نتیجے میں چار طلباء زخمی ہو گئے۔ ہندوتوا غنڈوں کشمیری طالبات کو بھی بدسلوکی کا نشانہ بنایا۔ طلباء کا کہنا تھا کہ انہوں نے اپنے تحفظات یونیورسٹی انتظامیہ تک پہنچانے کیلئے ایک پرامن احتجاج کیا جس دوران ریاست بہار کے طلباء کے ایک گروپ جسے ہندوتوا تنظیم بجرنگ دل کے غنڈوں کے حمایت حاصل تھی، نے ان پر حملہ کیا اور چار کشمیری طلباء زخمی کر دیے۔ خطہ جموں کے علاقے آر ایس پورہ میں بچوں کی جیل سے تین قیدیوں کے جن میں مبینہ طور پر دو پاکستانی شہری محمد ثناء اللہ اور احسن انور فرار ہو گئے۔ جیل سے فرار ہونے کے بعد ایک اسٹنٹ سب انسپکٹر سمیت چھ پولیس اہلکاروں کو ڈیوٹی میں غفلت برتنے پر معطل کر دیا گیا۔ گرمائی دارلحکومت سری نگر میں ایک سڑک حادثے میں بھارتی فوج کے 9 اہلکار زخمی ہو گئے۔ حادثہ احمد نگر کے علاقے ڈگ پورہ روڈ پر پر اس وقت پیش آیا جب سی آر پی ایف بنکر گاڑی ڈرائیور کے قابو سے باہر ہوگئی اور ایک نہر میں جا گری۔ جبکہ سری نگر ہی کے علاقے باغی مہتاب میں ایک سڑک حادثے میں کم ازکم تین بھارتی پولیس کانسٹیبلوں سمیت متعدد اہلکار زخمی ہو گئے، حادثہ اس وقت پیش آیا جب پولیس گاڑی ایک لوڈ کیریئر سے ٹکرا گئی۔

19 فروری 2026۔۔۔ضلع جموں کے علاقے نگروٹہ میں واقع فوجی کیمپ میں ایک 24 سالہ فوجی اہلکار نے اپنی سروس رائفل سے خودکشی کرلی۔

20 فروری 2026۔۔۔بھارتی فوج نے مقبوضہ جموں وکشمیر میں تلاشی اور محاصرے کی کارروائیاں مزید تیز کرنے کیلئے پورے مقبوضہ علاقے میں سی آر پی ایف کے 43 عارضی آپریٹنگ اڈے قائم کیے ہیں۔ ہر ایک اڈے پر 16 سے 25 اہلکار تعینات ہیں۔ سی آر پی ایف کی یہ عارضی اڈے جن میں سے 26 وادی کشمیر اور 17 جموں خطے میں قائم کی گئی ہیں۔ سرحدی علاقے تھنواٹبہ، سندربنی میں مجاہدین نے ایک کارروائی کے دوران بھارتی فوج کے ایک کیمپ پر فائرنگ کی جس کے نتیجے میں چار بھارتی فوجی اہلکار ہلاک ہو گئے جبکہ دیگر متعدد اہلکار زخمی ہو گئے۔

22 فروری 2026۔۔۔ جموں خطے کے ضلع کشتواڑ میں مجاہدین اور بھارتی فوج کے درمیان ایک خونی معرکہ پیش آیا جس کے نتیجے میں کمانڈر سیف اللہ سمیت تین مجاہدین نے بہادری سے لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا ہے اور بعد ازاں بھارتی فوج نے ظالمانہ کارروائی کر کے لاشوں کو کیمیائی مادے کے ذریعے جلا دیا جسکے نتیجے میں وہ ناقابل شناخت ہوگئیں۔ یاد رہے کشمیری نوجوانوں کی لاشوں کو کیمیائی مود کے ذریعے مسخ کرنے کا یہ پہلا واقعہ نہیں ہے بلکہ دنیا کے سب سے بڑے نام نہاد جمہوری ملک کی نام نہاد پیشہ وارانہ فوج اب تک مقبوضہ علاقے میں اس طرح کی سینکڑوں کارروائیاں کر چکی ہے۔ جموں وکشمیر کے شمالی ضلع کپواڑہ کے ہندوارہ علاقہ میں میں بھارتی فوج کا ایک کیپٹن امان کمار سنگھ دل کا دورہ پڑنے سے ہلاک ہو گیا۔

24 فروری 2026۔۔۔ضلع اسلام آباد کے علاقے بجبہاڑہ میں بھارتی فوج کے ایک اہلکار اجیت سنگھ نے اپنی سروس رائفل سے خود پر گولی چلا کر خودکشی کرلی۔

26 فروری 2026۔۔۔مقبوضہ کشمیر میں بدنام زمانہ بھارتی تحقیقاتی ادارے "نیشنل انویسٹی گیشن ایجنسی" (این آئی اے) نے دو کشمیری نوجوانوں ضمیر احمد اور طفیل احمد کو سری نگر اور گاندربل کے اضلاع سے گھروں پر چھاپوں کے دوران گرفتار کرلیا ہے۔ ان کی گرفتاری کا جواز فراہم کرنے کیلئے ان پر دہلی لال قلعہ دھماکے میں ملوث ہونے کا الزام عائد کیا گیا ہے۔ تاہم نوجوانوں کے اہلخانہ نے ان الزامات کو مسترد کرتے ہوئے کہا کہ انہیں بلا جواز طور پر گرفتار کیا گیا۔

27 فروری 2026۔۔۔مقبوضہ وادی کشمیر کے ضلع شوپیاں کے علاقے بٹہ پورہ میں قائم کیمپ میں کانسٹیبل منیش کمار نے اپنی سروس رائفل سے خود پر گولی مار کر خودکشی کرلی۔ سرینگر میں قائم ایک خصوصی عدالت نے کالے قانون "ٹاڈا" کے تحت سوپور کے رہائشی دو کشمیری حریت کارکنوں امتیاز احمد اور منظور احمد کے ناقابل ضمانت وارنٹ گرفتاری جاری کر دیے ہیں۔ نئی دلی کے زیر کنٹرول سٹیٹ انویسٹی گیشن ایجنسی (ایس آئی اے) نے ان دونوں کے خلاف 3 دسمبر 2022 کو عدالت میں فرد جرم دائر کی تھی۔

28 فروری 2026۔۔۔ این آئی اے کی خصوصی عدالت نے حزب المجاہدین کے چیف کمانڈر سید صلاح الدین احمد، ڈپٹی سپریم کمانڈر غلام نبی خان عرف سیف اللہ خالد، شیر محمد عرف ریاض احمد اور ناصر یوسف قادری کے خلاف وارنٹ جاری کر دیے ہیں کے۔ عہدیداروں نے الزام لگایا کہ قادری کا تعلق حزب المجاہدین سے ہے اور وہ دہشت گردانہ پروپیگنڈہ اور بیانیہ پھیلانے میں ملوث رہے ہیں۔ مقبوضہ کشمیر میں قابض حکام نے کل جماعتی حریت کانفرنس کے سینئر رہنما میر واعظ عمر فاروق کو گھر میں نظربند کر دیا اور انہیں ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی برسی کے موقع پر خطبہ دینے سے روک دیا ہے۔ یاد رہے یہ اجتماع روحانی نوعیت کا تھا اور اس کا مقصد اسلام کی ایک قابل احترام شخصیت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی زندگی اور میراث پر روشنی ڈالنا تھا۔

3 مارچ 2026۔۔۔ضلع راجوری کے ٹنڈوال میں قائم

سی آر پی ایف کیمپ میں بھارتی فوج کا ایک اہلکار پراسرار طور پر گولی لگنے سے زخمی ہوگیا۔سرینگر کے علاقے راجباغ پولیس سٹیشن میں پولیس ہیڈ کانسٹیبل محمد شفیع پراسرار طور پر بے ہوشی کی حالت میں دم توڑ گیا۔جبکہ ایک اور واقعہ میں ضلع راجوری کے علاقے ٹھنڈی کاسی میں حادثاتی طور پر آتشیں ہتھیار چلنے سے بھارتی سنٹرل ریزرو پولیس فورس کا ایک اہلکار رام نواس زخمی ہوگیا۔

4مارچ 2026۔۔۔مقبوضہ کشمیر میں بھارتی پولیس نے ایران پر امریکی، اسرائیلی جارحیت کے خلاف احتجاج کی تصاویر سوشل میڈیا پر شیئر کرنے کی پاداش میں ضلع شوپیاں میں ایک شخص کے خلاف مقدمہ درج کرلیا ہے۔یہ مقدمہ ضلع کے علاقے سازن کیگام کے رہائشی جاوید احمد کھانڈے کے خلاف درج کیا گیا۔جبکہ بھارتی پولیس نے ایران پر اسرائیلی وامریکی جارحیت کے خلاف احتجاجی مظاہروں کی ویڈیوز اپنے انسٹاگرام اکانٹ پر شیئر کرنے کی پاداش میں ضلع بڈگام کے علاقے چاڈورہ کھٹی پورہ میں بھی ایک شخص سہیل احمد بٹ کے خلاف مقدمہ درج کرلیا ہے۔

7مارچ 2026۔۔۔مقبوضہ کشمیر میں بھارتی پولیس نے ایران پر امریکی، اسرائیلی جارحیت اور ملک کے رہبر اعلیٰ آیت اللہ خامنہ ای کی شہادت کے خلاف احتجاجی مظاہروں کی پاداش میں سری نگر سے 800 سے زائد نوجوانوں کو گرفتار کرلیا ہے۔گرفتار کیے جانے والوں میں درجنوں خواتین بھی شامل ہیں۔امریکی، اسرائیلی جارحیت کے خلاف سرینگر کے زیڈی بل، لال چوک، شالہ ٹینک، نوگا، پارمپورہ، نگین، بمنہ ، پارمپورہ اور دیگر علاقوں میں شدید احتجاجی مظاہرے کئے گئے۔

8مارچ 2026۔۔۔مقبوضہ کشمیر کے ضلع راجوری میں واقع ڈسٹرکٹ جیل ڈھنگری کے اندر بھارتی پولیس کی وحشیانہ کارروائی سے متعدد قیدی زخمی ہوگئے جس سے جیلوں میں نظربند کشمیریوں کو درپیش سنگین حالات کی عکاسی ہوتی ہے۔یاد رہے اس طرح کے واقعات خاص طور پر کشمیری نظربندوں میں بڑھتی ہوئی مایوسی کی عکاسی کرتے ہیں جنہیں اکثر کالے قوانین کے تحت نظربند کیا جاتا ہے اور انہیں مقبوضہ علاقے اور بھارت کی مختلف جیلوں میں سنگین حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

9مارچ 2026۔۔۔ضلع راجوری میں ایک اور حریت پسند کشمیری کی جائیداد ضبط کرلی ہے۔انتظامیہ نے ضلع کے علاقے منجکوٹ میں شفیق احمد کی سات مرلہ اراضی ضبط کرلی۔اگست 2019 میں دفعہ 370 اور35A کی منسوخی اور مقبوضہ جموں وکشمیر کی خصوصی حیثیت کے خاتمے کے بعد سے بی جے پی کی زیر قیادت بھارتی حکومت نے کشمیریوں کو ان کے گھروں اور زمینوں سے بے دخل کرنے کی مہم تیز کر دی ہے۔مقبوضہ جموں وکشمیر میں ممتاز حریت رہنما اور ڈیموکریٹک فریڈم پارٹی کے جنرل سیکرٹری مولانا عبداللہ طاری طویل علالت کے بعد اپنے آبائی علاقے شوپیاں میں انتقال کر گئے۔مرحوم کی نمازِ جنازہ میں سیاسی، سماجی اور مذہبی حلقوں کے علاوہ علاقے کے لوگوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔بعدازاں انہیں ان کے آبائی قبرستان میں سپردِ خاک کردیا گیا۔

10مارچ 2026۔۔۔ضلع راجوری کے نوشہرہ کے علاقے جھنگر میں کنٹرول لائن کے قریب مجاہدین اور بھارتی فوج کے درمیان ایک جھڑپ ہوئی جس کے نتیجے میں ایک مجاہد نے جام شہادت نوش کرلیا ہے۔حکام نے محکمہ جل شکتی کے کارکنوں کو مبینہ طور پر" آزادی پسند" اور بھارت مخالف سرگرمیوں پر ملازمت سے برطرف کیا گیا ہے۔سرکاری احکامات میں کہا گیا ہے کہ شوکت احمد زرگر، لیاقت علی بھگوان اور کوثر حسین بھگوان کو جنوبی کشمیر کے اسلام آباد اور کشتواڑ اضلاع سے غیر قانونی سرگرمیوں کی روک تھام کے کالے قانون یو اے پی اے کے تحت برطرف کردیا گیا ہے۔

12مارچ 2026۔۔۔ بدنام زمانہ بھارتی تحقیقاتی ادارے نیشنل انویسٹی گیشن ایجنسی (این آئی اے) نے ضلع پونچھ کے متعدد علاقوں میں چھاپے مارے ہیں۔این آئی اے کی ٹیموں نے ضلع کے محلہ کھور ینار اور ہری سورنکوٹ کے علاقوں میں چھاپے مارے۔یہ چھاپے عبدالعزیز اور منور حسین کے گھروں پر مارے گئے۔بھارتی ریاست راجستھان کی میواڑ یونیورسٹی میں زیر تعلیم کشمیری طلباء کی نظربندی اور انہیں ہراساں کرنے کے خلاف سری نگر میں احتجاجی مظاہرہ کیا گیا۔طلباء کے اہل خانہ سمیت لوگوں نے بھارت میں کشمیری طلباء کو درپیش مشکلات اور امتیازی سلوک پر سخت احتجاج کیا۔مظاہرین کا کہنا تھا کہ راجستھان میں بی ایس سی نرسنگ پروگرام میں داخلہ لینے والے مقبوضہ جموں وکشمیر کے طلباء کو اپنے نصاب کے حوالے سے سوالات اٹھانے پر عتاب کا نشانہ بنایا گیا اور دو دن تک حراست میں رکھا گیا۔مقبوضہ جموں وکشمیر میں نیشنل کانفرنس کے سربراہ اور سابق وزیر اعلیٰ فاروق عبداللہ ایک قاتلانہ حملے میں بال بال بچ گئے ہیں۔ان پر شادی کی ایک تقریب کے دوران 62 سالہ کمل سنگھ جموال نے گولی چلادی۔فاروق عبداللہ جموں کے علاقے گریٹر کیلاش میں شادی کی تقریب میں شریک تھے کہ پستول سے لیس کمل سنگھ ان کے قریب پہنچ کر گولی چلانے میں کامیاب ہوگیا تاہم گولی نشانے پر نہیں لگی۔

13مارچ 2026۔۔۔ضلع ڈوڈہ کے علاقے بھدرواہ میں بستی گاوں میں آٹو کار بے قابو ہو کر دریا میں جاگری جسکے نتیجے میں اس میں سوار پولیس ہیڈ کانسٹیبل ذوالفقار علی زخمی ہوگئے۔مقبوضہ کشمیر یوم القدس اور جمعۃ الوداع پر مختلف علاقوں میں ہزاروں کی تعداد میں لوگوں نے بھارتی پابندیوں کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے مظلوم فلسطینی عوام اور امریکی و اسرائیلی جارحیت کا شکار ایران کیساتھ اظہار یکجہتی کیلئے احتجاجی مظاہرے کیے۔انتظامیہ نے مظاہروں کو ناکام بنانے کیلئے سخت پابندیاں عائد کررکھی تھیں۔تاہم لوگ پابندیوں کی پرواہ کیے بغیر سری نگر، بڈگام، بارہمولہ، بانڈی پورہ، گاندربل، پلوامہ، کرگل، لیہ اضلاع کے مختلف علاقوں میں نماز جمعہ کے بعد سڑکوں پر نکل آئے۔مظاہرین نے ایران پر جارحیت کے خلاف اور فلسطینیوں کی حمایت میں نعرے لگائے۔انتظامیہ نے مسجد کی طرف جانے والے تمام راستے خاردار تاروں سے سیل کردیے اور اسکے دروازوں پر تالے لگادیے۔انتظامیہ نے علاقے نوہٹہ میں واقع عظیم الشان مسجد کو جمعۃ الوداع کے موقع پر نماز کے لیے بند کردیا گیا ہے۔ضلع پونچھ کے علاقے میں ایک محاصرے کے دوران بھارتی فوج کا ایک آفیسر صوبیدار سندیپ کمار ڈھاکا ایک پہاڑی سے گر کر ہلاک ہوگیا۔